اُردو افسانے میں

رُومانی رُجحانات

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو)

DATA ENTERED

مقالہ نگار

محمد عالم خاں

شعبۂ اُردو ایچی سن کالج لاہور

نگران

ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا

پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

باب اول	رومانیت مشرق و مغرب میں	4
باب دوم	اردو نثر میں رومانیت کی روایت	47
باب سوم	رومانی تحریک کا پیشرو۔ سجاد حیدر یلدرم	92
باب چہارم	یلدرم کے معاصرین و مقلدین	221
باب پنجم	رومانی طرز احساس کے دیگر افسانہ نگار	311
باب ششم	حقیقت پسند افسانہ نگاروں میں رومانی رجحانات	405
باب ہفتم	قیام پاکستان کے بعد چند نمایاں رجحانات	534
باب ہشتم	اردو کے رومانی افسانے کی اہمیت	668

انتساب

اپنے ماں باپ کی یادوں کے نام

باب اول

رومانیت۔ مشرق و مغرب میں

پیش لفظ

اردو افسانے سے میری دلچسپی زمانہ طالب علمی سے ہی رہی ہے۔ اس زمانے سے ہی مجھے نامور افسانہ نگاروں کی تخلیقات پڑھنے کا موقع ملا، جس سے میرے ادبی ذوق کی پرورش ہوئی۔ اس طرح کہانیوں اور کہانی کاروں کے بارے میں جاننے کی جستجو نے مجھے اردو افسانے کی تنقید و تاریخ کے مطالعہ کی طرف مائل کیا۔ زیر نظر "مقالے" کو میرے اسی شوق کا نقطہ تکمیل کہا جا سکتا ہے۔

"اردو افسانے میں رومانی رجحانات" کا موضوع پہلی نظر میں بہت آسان اور دلچسپ محسوس ہوا۔ لیکن مجھے جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس سفر میں بے انتہا مشکلات اور ناہمواریاں ہیں۔ خاص طور پر "رومانیت" سے متعلق مروج لغوی و اصطلاحی مفاہیم کے برعکس ان حقائق تک پہنچنا جو "رومانیت" کے حقیقی اور بنیادی تصورات میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں، ایک مشکل ترین مرحلہ تھا۔ جسے میں نے بدقت تمام، نہایت محنت بلکہ مشقت سے طے کیا۔ اس ضمن میں مغربی تنقیدی ادب میں رومانیت کے مختلف تصورات اور اصول و نظریات کا مطالعہ بھی کیا اور مشرقی روایت کے تناظر میں رومانیت کے تصور کو بھی سمجھنے کی کوشش کی جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ رومانیت کا تصور اپنے اندر بڑی وسعت اور جامعیت رکھتا ہے اور یہ نظریہ ہمارے ہاں موجود "روایتی مفاہیم" سے بالکل مختلف ہے۔ اس کے علاوہ مقالے کی تیاری کے دوران اس حقیقت کا انکشاف بھی ہوا کہ ہمارے نثری ادب میں "رومانیت" کی بھرپور اور توانا روایت اپنی کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ موجود رہی ہے۔ ادب کا داستانی دور ہو یا ناول نگاری اور انشائے لطیف کا عہد، اردو افسانے کا ابتدائی سفر ہو یا جدید افسانے کا نقطہ عروج، "رومانیت" ہر زمانے کے ادب میں ایک "مثبت" اور "فعال قدر" کے طور پر ادبی تخلیقات کا حصہ رہی ہے۔ اس حوالے سے جب مجھے اردو کے رومانی افسانے کی اہمیت و افادیت کو تاریخی و تہذیبی اور سیاسی و سماجی تناظر میں پرکھنے کا موقع ملا تو اندازہ ہوا کہ میں نے "مقالے" کے لئے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے، وہ تاریخی اعتبار سے بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ میں یہ دیانتداری سے محسوس کرتا ہوں کہ میں نے رومانیت اور رومانی افسانے کو اس کے پورے ادبی و سیاسی، سیاق و سباق میں جس زاویہ نگاہ سے دیکھا ہے اسے اپنی ایک اہم ادبی کاوش سمجھتا ہوں۔ کیونکہ میرے اس تحقیقی کام سے نہ صرف اردو کے رومانی افسانے کو ایک

تاریخی تسلسل میں دیکھنے کی سہولت میسر آئے گی بلکہ موجودہ عہد میں رومانیت اور رومانی افسانے کی اہمیت بھی واضح ہو گی۔ علاوہ ازیں رومانیت سے متعلق ان بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ہو گا جس کی وجہ سے اس کا نظریاتی کینوس بہت محدود تصور کیا جاتا ہے۔ لہٰذا میں یہ بات پوری ذمہ داری سے کہہ سکتا ہوں کہ میں نے "رومانی افسانے" کے توسط سے اس نئے رومانی تصور کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے، جس کی ادبی و سماجی حوالے سے آج بے حد ضرورت ہے۔

اس مقالے کی تیاری کے دوران متعلقہ مواد کی فراہمی میں بہت سی دشواریاں پیش آئیں لیکن میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے لاہور جیسے ادبی مرکز میں رہ کر اپنا کام مکمل کرنے کرنے کا موقع ملا۔ جس کی وجہ سے سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں کے علاوہ مجھے بہت سے نامور ادیبوں کے نجی کتب خانوں سے بھی استفادہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اور اس طرح میری رسائی ان نایاب کتب اور رسائل و جرائد تک ممکن ہو سکی جو میرے اس تحقیقی کام کے سلسلے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں حلقہ ارباب ذوق سے بیس سالہ پرانی رفاقت، اہم قد آور ادبی شخصیات سے ملاقاتوں اور ادبی و فکری بحثوں نے میرے ادبی و تنقیدی شعور کو نکھارنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ جس کی بدولت میں اپنے اس کام کو مکمل کرنے کے قابل ہوا۔

میں ذاتی طور پر اس بات پر یقین رکھتا ہوں کہ ایک غیر منظم معاشرے میں کسی بھی تحقیقی اور تخلیقی منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ایک خار دار راستے پر چلنے کے مترادف ہے۔ اور پانچ سال کے طویل عرصے میں مجھے بھی اس آبلہ پائی کے کرب سے دوچار ہونا پڑا۔ اور اگر چند دوستوں کی بے لوث محبت، خلوص اور رفاقت میسر نہ ہوتی تو مجھ جیسے آوارہ منش انسان کے لئے اس راہ پر دو گام چلنا بھی دشوار ہوتا۔ میرے پاس ان دوستوں کی محبتوں اور تعاون پر شکریئے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ ان محسنوں میں سے یہ چند نام ہیں۔ جنہوں نے میرے سفر کی صعوبتوں کو کم کر کے مجھے آگے بڑھنے کا حوصلہ دیا۔ پروفیسر عتیق احمد، پروفیسر یوسف حسن، ڈاکٹر نیر صمدانی، پروفیسر فخر الحق نوری، سعید مقصود، ڈاکٹر نجیب جمال اور خالد شیرازی، کے ذاتی تعاون، مشورات اور فراہم کردہ مواد، نے اس مقالے کی تکمیل میں میری رہنمائی کی۔ اس سلسلے میں ایک اور اہم نام اسلم طارق کا ہے جس نے دیرینہ دوست ہونے کے ناطے سے ہر قدم پر مجھے سہارا دیا۔ میرے ساتھ عملی طور پر تعاون کیا۔ اور ایک بڑے بھائی کی طرح وہ، ہر مرحلے پر میرا ہم سفر رہا۔

میرے اس کام کے سلسلے میں جتنی مشکلات سے اسے گزرنا پڑا' ان احسانات کا بدلہ چکانا میرے بس کی بات نہیں۔ شکریئے کے الفاظ اس عظیم محبت اور خلوص کا بدل نہیں ہو سکتے۔ خدا دوستی کی اس نعمت سے ہر ایک کو سرفراز کرے۔

میں کبھی اس کام کو مکمل نہ کر پاتا۔ اگر مجھے ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا صاحب جیسی عظیم علمی و ادبی شخصیت کی سرپرستی حاصل نہ ہوتی۔ انہوں نے اس مقالے کے نگران کی حیثیت سے ہی نہیں بلکہ ایک شفیق ہستی کی طرح میری ادبی و فکری تربیت کی اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں اس مشکل ترین کام کو سلیقے اور تنظیم سے کر سکوں۔ نیز انہوں نے مجھ میں خود اعتمادی پیدا کر کے مجھے نئی راہیں سجھائیں۔ انہوں نے جس تحمل اور بردباری سے میرے طویل مقالے کی ایک ایک سطر کو پڑھا اور اس کے بعد اپنی قیمتی آراء سے نوازا' میں اس احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ اور میں یہ بات بڑے فخر سے لکھ رہا ہوں کہ میں آج جس مقام پر کھڑا ہوں یہ سب کچھ ان کے فیضان نظر کا نتیجہ ہے۔

محمد عالم خان
شعبہ اردو۔ ایچی سن کالج
لاہور

رومان اور رومانیت

رومان کیا ہے؟

رومانیت کا لفظ رومان سے نکلا ہے اور رومانس کا لفظ رومن زبان سے مشتق ہے۔1 اس کو فرانسیسی زبان میں رومان (Romance) اور پرانی لاطینی زبان میں رومانکا (Romanaca) کہتے ہیں۔ عام طور پر اس کے معنی جنوبی یورپ کی ان جدید زبانوں کے لئے جاتے ہیں' جو رومنی' لاطینی' صومالی' فرانسیسی رومانی (Romanian) زبانوں میں سے کسی سے مل کر بنی ہیں۔ یا جن میں مختلف زبانوں کا اختلاط ہے۔ اس لفظ کا دوسرا استعمال ان زبانوں میں سے کسی زبان کی کہانیوں کے لئے ہوتا ہے یا کوئی بھی خیالی افسانہ' ناول یا نظم جس کی بنیاد زندگی اور اس کی حقیقتوں سے بعید ہو یا خیالی اور تصوراتی نظم و نثر اور حقیقت سے۔ مبالغہ آرائی' عشق و محبت کا معاملہ تخیل پرستی اور رنگ آمیزی ہو۔ اسے رومانس کہا جاتا تھا۔

رومان کے لغوی اور اصطلاحی مفاہیم سے متعلق مختلف زبانوں میں بڑی تفصیلات ملتی ہیں۔ جن سے اس لفظ کے حقیقی مفہوم اور روح کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے۔ عربی زبان میں رومان سے مراد کوئی مقبول عام قدیم رزمیہ داستان ہے' کوئی محیر العقول جذباتی افسانہ یا ناول کی ایک قسم ہے جس کے اندر سوسائٹی کی محض خیالی اور فوق المعادہ اور حیرت ناک تصویریں غیر معمولی سوانح کے ساتھ متشکل ہوں' اصنام خیالی کی جذباتی کہانیاں' جو روز مرہ حقائق زندگی سے ماورا اور ایک گونہ مثالی ہوں۔2

فارسی زبان میں لفظ رومان کے لغوی معنی ناول' قصہ یا افسانہ کے ہیں۔3 اور کم و بیش انہی الفاظ میں بیان اللسان میں رومان کو ناول یا محبت کا افسانہ کہا گیا ہے۔4 لیکن اسے رومان کی حتمی تعریف قرار نہیں دیا جا سکتا' کیونکہ رومینس قدیم فرانسیسی زبان کا لفظ ہے جس سے مراد عمومی زبان میں لکھی ہوئی کتاب' عموماً" کہانی وغیرہ۔5 یہ عام طور پر بہادری اولعزمی اور جانبازی کا کوئی تخیلی افسانہ ہوتا تھا۔ یہی یورپ کے قرون وسطیٰ کی رومانس تھی۔ اس کو بعد

۱۔ CHAMBERS ENGLISH DICTIONARY PAGE839

۲۔ فرہنگ عامرہ' چوتھائی ایڈیشن' ٹائمز پریس کراچی 1957ء

۳۔ لغات کشوری (فارسی اردو لغت) منشی تیج کمار وارث نول کشور پریس لکھنؤ (1964) اکیسواں ایڈیشن

۴۔ (الف) بیان اللسان از زین العابدین' مکتبہ علمیہ قاضی واڑہ میرٹھ 1964ء

(ب) سعید اللغات

۵۔ اردو جامع انسائیکلوپیڈیا (جلد اول) غلام علی پرنٹرز لاہور 1987ء

میں طول دے کر Romance of Love or Romance of Love & Adventure کہنے لگے، عہد حاضر کی رومینس یا رومان کا مادہ یہی ہے۔ اردو میں فرانسیسی نام کا ترجمہ "رومان عشق و مخاطرہ" کیا گیا ہے۔ اور اس لئے اردو، فارسی لغات میں رومان کے جو معنی مراد لئے گئے ہیں انہیں مکمل طور پر درست نہیں سمجھا جا سکتا۔ رومان کو محض محبت کا افسانہ یا ناول تسلیم کر لینے سے اس لفظ کا تاریخی، تہذیبی اور ثقافتی حوالہ پس منظر میں چلا جاتا ہے۔ لہٰذا رومان کے لفظ کو اس کے صحیح تناظر میں ہی سمجھنا چاہیے۔

> "قرون وسطیٰ کی رزمیہ داستانوں اور جنگ ناموں کو بھی رومانس کہا جاتا تھا اس کے علاوہ اس سے مراد ایسا قصہ یا ادب کی وہ صنف بھی لی جاتی تھی جس میں روز مرہ زندگی سے ہٹے ہوئے واقعات ہوں۔ ایسے واقعات جو حیرت، عشق و محبت، تخیل پرستی، رنگ آمیزی یا مبالغہ آرائی پر مبنی ہوں۔"[1]

فرانسیسی زبان اور مخصوص ادب سے قطع نظر اگر لفظ رومانس پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ لفظ رومانس کو مختلف ادوار میں مختلف معانی میں استعمال کیا گیا، کبھی رومانس بطور من گھڑت کہانی کے استعمال ہوا تو کہیں رومینٹک بطور "جعلی" کے لیا گیا جبکہ ایک دور میں "رومانز" جھوٹے کے لئے برتا گیا۔ اس طرح لفظ رومانس پہلے ایک مخصوص زبان اور پھر ایک خاص قسم کے ادب کے لئے، جو اس زبان میں تخلیق ہوا، استعمال ہوتا رہا۔ بعد ازاں اسم صفت "رومانٹک" اس قسم کے ادب سے مخصوص، ماورائے عقل اور غیر حقیقی واقعات یا اس ماورائے عقل ادب سے مشابہت رکھنے والے مزاج کے لئے استعمال ہوا۔

مندرجہ بالا نکات سے رومان کا حقیقی مفہوم نکل کر ہمارے سامنے آجاتا ہے۔ یہی باتیں کسی نہ کسی طور لفظ "رومان" سے جزوی یا کلی طور پر وابستہ ہیں۔ ان سے "رومان" کی مختلف جہتیں اور شکلیں واضح طور پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

دراصل رومان کا لفظ اپنے اندر تاریخی معنویت رکھتا ہے۔ ہم جوں جوں اس کے مفہوم تک پہنچتے ہیں، ہمیں نئے نئے معانی اور مطالب سے آگاہی ہوتی ہے اور ایک سطح پر ہمیں یہ لفظ اپنے اندر ایک جہان کو سمیٹے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔

1۔ "The Student Standard English-Urdu, Dictionary"
(Anjuman Urdu Press Orang Abad) Deccan. 1938

رومان کے بارے میں کشاف تنقیدی اصطلاحات میں بھی انہی خیالات کو مربوط طریقے سے اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

> "پہلے پہل یہ لفظ (رومانس) قدیم فرانسیسی زبان کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ بعد میں قدیم فرانسیسی کے علاوہ رومانس کا اطلاق اسپینی، اطالوی، پرتگالی اور رومانین پر بھی ہونے لگا۔ کیونکہ یہ بھی رومن (لاطینی) سے ہی تھیں۔ ایک زمانے میں رومانس کا اطلاق ہر فرانسیسی ادب پارے پر ہوتا تھا۔ کیونکہ ان ادب پاروں میں سے بیشتر سورماؤں کے کارناموں پر مشتمل تھے۔ اس لئے بعد میں "رومانی" ایک اصطلاح کے طور پر کسی بھی زبان کے ایسے قصوں کے لئے مخصوص ہو گیا جن میں سورماؤں کی مہمات کا ذکر ہوا ہو۔"1

پیٹرز انسائیکلو پیڈیا کا بیان ہے کہ قرون وسطیٰ کی ابتداء میں رومانس سے مراد وہ فرضی منظوم قصے لئے جاتے تھے جو کسی سورما کی مہمات سے متعلق ہوتے تھے۔ ان قصوں کی بیشتر دلچسپی کرداروں کی بجائے واقعات میں ہوتی تھی اور واقعات، بعض اوقات مافوق الفطرت ہوتے تھے۔ قرون وسطیٰ کے اواخر تک رومان کے تصور میں اتنی وسعت پیدا ہو چکی تھی کہ اس کے لئے منظوم ہونا شرط نہیں رہا تھا۔ چنانچہ رومانس نثر میں بھی لکھے گئے۔ سولہویں صدی عیسوی میں رومانس کی اصطلاح ایسے منظوم یا مشہور قصے کے لئے ہوتی تھی جس کے مناظر و واقعات حقیقی زندگی کے مناظر و واقعات سے مختلف اور ہٹے ہوئے ہوں۔ آج کل یہ لفظ بڑی حد تک اپنی اصطلاحی قطعیت کھو چکا ہے اور ایسے قصوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کسی حد تک خلاف قیاس واقعات پر مشتمل ہوں۔

رومانس سے متعلق جتنی آراء جمع کی جائیں اس کی معنویت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ لیکن اوپر بیان کئے گئے خیالات کو تقریباً" ہر محقق نے اپنے مخصوص انداز سے قدرے کمی بیشی کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ یوں بھی کسی ایک اصطلاح کے بارے میں ہر دانشور اپنا مخصوص نقطہ نظر رکھتا ہے اور اسی زاویہ نگاہ سے اسے بیان کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چنانچہ محقق، دانشور علی عباس جلالپوری اس لفظ کے تاریخی پس منظر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "پہلی صدی قبل از مسیح میں جولیس سیزر کی فتوحات کے باعث گال (موجودہ فرانس) پر اہل "روما" کا سیاسی تسلط مستحکم ہو گیا۔ یہاں کے رومی حکام کی زبان

1۔ "کشاف تنقیدی اصطلاحات" مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد 1985ء صفحہ نمبر 91

لاطینی تھی جس کے الفاظ و تراکیب مقامی بولیوں میں نفوذ کر گئے اور ایک نئی زبان ظہور میں آئی جس کو "رومانا لنگوا" کہنے لگے۔ اس عوامی زبان میں جو قصے لکھے جاتے تھے انہیں رومان کہا جاتا تھا۔ یہ قصے سحر و نیرنگ، واردات عشق و محبت اور شجاعت کے کارناموں پر مشتمل ہوتے تھے۔ اس لئے یہ عناصر رومان کے اجزائے ترکیبی قرار پائے۔"1

رومان سے متعلق یہی بنیادی عناصر اس کے فکری و معنوی تصورات کو اجاگر کرنے کا باعث بنے۔ چنانچہ تمام دانشوروں اور محققین نے انہی بنیادی نظریات کو "رومان" کی حقیقی روح قرار دیا۔ ڈاکٹر محمد حسن کے مطابق:

"رومانس زبانوں میں اس قسم کی کہانیوں پر اس کا (رومان کا) اطلاق ہوتا تھا جو انتہائی آراستہ اور پر شکوہ منظر کے ساتھ عشق و محبت کی داستانیں سناتی تھیں جو عام طور پر دور وسطیٰ کے جنگجو اور خطر پسند نوجوانوں کی مہمات سے متعلق ہوتی تھیں اور اس طرح اس لفظ سے تین خاص مفہوم وابستہ ہو گئے۔

1۔ عشق و محبت سے متعلق تمام چیزوں کو رومانی کہا جانے لگا۔

2۔ غیر معمولی آراستگی، شان و شکوہ، آرائش، فراوانی اور محاکاتی تفصیل پسندی کو رومانوی کہنے لگے اور

3۔ عہد وسطیٰ سے وابستہ تمام چیزوں سے لگاؤ اور قدامت پسندی اور ماضی پرستی کو رومانوی کا لقب دیا گیا۔"2

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

"ادبیات کے سلسلے میں سب سے پہلے 1781ء میں وارٹن اور ہرڈز نے یہ لفظ استعمال کیا۔ اس کے بعد گوئٹے اور شلر نے 1802ء میں ادبیات کے سلسلے میں اس کا اطلاق کرنا شروع کیا۔ لیکن شلیگل اور مادام ڈی سٹیل (DE Steal) نے اسے ایک اصطلاح کی شکل میں رائج کیا۔ اس طرح

۱۔ علی عباس جلالپوری، "ادبی دنیا" 1962ء شمارہ 8 (اقبال کے رومانی افکار) صفحہ 9

۲۔ ڈاکٹر محمد حسن "اردو ادب میں رومانی تحریک" بشیر اینڈ سنز لاہور س۔ن۔ صفحہ نمبر 9

یہ لفظ "رومانس" جو پہلے زبان کا نام تھا اس کے بعد اس زبان کے مخصوص ادبیات اور داستانوں کا لقب بنا۔ پھر ادب میں ماورائیت' آرائشگی عہد وسطیٰ کی قدروں کی نمائندگی کرنے لگا اور آہستہ آہستہ ادب کے ایک مخصوص مزاج کا مظہر بن گیا۔"[1]

رومانس کے بارے میں نیو انسائیکلو پیڈیا برٹینیکا میں بھی بڑی تفصیل سے اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ لفظ "رومان" ادبی اصطلاح کے طور پر فرانس میں تقریباً بارہویں صدی کے وسط سے متعارف ہوا۔

"(Romance), Literacy form usually characterized by its treatment of chivalry, that came into being in France in the middle of the 12th century. It had antcedents in a number of prose works from classical antiquity (the so called Greek Romances), but as a distinctive genre it was developed in the context of the aristocratic courts of such patrons as cleanor of aquitainice."

"رومانس" کی اصطلاح کا دائرہ عمل پہلے سے بہت زیادہ وسعت اختیار کر گیا ہے۔ یوں لفظ "رومانس" اپنے تاریخی' تہذیبی اور ثقافتی حوالے سے ارتقاء پذیر رہا ہے۔ کولیئرز انسائیکلو پیڈیا میں اس لفظ کو مختلف انداز سے اس طرح سے واضح کیا گیا ہے۔

The noun Romance indicates a story in the vernacular ___ hence, likely to be simple in style, popular in appeal, and characterized by a mixture of factual detail and adventurous doings ___ we thus, get a double contrast; first, the

---

۱۔ ڈاکٹر محمد حسن "اردو ادب میں رومانی تحریک" صفحہ نمبر 10

۲۔ "The New Encyclopaedia Britannica" Vol.10 15th edition Page 154"

contrast between classical literary Language and common speech and second, the contrast between noble or elevated subject matter_____"1

رومانس سے متعلق مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ "رومان" جو کبھی لفظ تھا' رفتہ رفتہ ایک ادبی اصطلاح بن گیا۔ اور اس سے وابستہ تصورات و افکار نے اس وقت کے ادب پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ اور یہی مختلف معانی اور جہات کا حامل "لفظ" رومانیت کی ابتدائی کڑی ثابت ہوا۔

رومانس کے معانی و مطالب کا یہ سلسلہ جو قدیم فرانس میں بارہویں صدی کے اوائل سے شروع ہوا۔ اٹھارہویں صدی کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے ایک ادبی تحریک میں تبدیل ہو گیا۔ جسے ادب میں "رومانی تحریک" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے' یوں لفظ رومانس' رومانیت اور رومانی تحریک مغربی ادب میں ایک تاریخی' تہذیبی اور ثقافتی سطح پر عہد ساز اہمیت کے حامل قرار پاتے ہیں۔2

رومانیت_____مفاہیم و تصورات

رومانیت زندگی کے مخصوص طرز احساس کا نام ہے جس کو فن و ادب میں مختلف مفاہیم میں استعمال کیا گیا ہے۔ زندگی اور معاملات زندگی کو دیکھنے اور پرکھنے کے بہت سے معیارات ہیں اور رومانیت بھی ان میں سے ایک پیمانہ ہے۔

ادب و فن میں رومانیت کا لفظ بہت سے مختلف مفاہیم میں استعمال ہوا ہے۔ اس کی کوئی ایک تعریف نہیں ہے۔ بلکہ اسے بہت سے پہلوؤں سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس لفظ کے ساتھ بہت سے خیالات و تصورات اور احساسات مجتمع نظر آتے ہیں' عشقیہ جذبات کی حامل تحریروں سے لے کر مافوق الفطرت عناصر کے سحر انگیز بیان تک ان گنت کیفیتیں اور تخیلاتی و جذباتی صورتیں ہیں جو رومانیت کے مفہوم کو اجاگر کرتی ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کے مطابق:

۱۔" Collier's Encyclopaedia" Vol.20, 1978 Page 1978"

۲۔ Fun & Incynalls, New Encyclopaedia, Vol.22, Page 345

"رومانیت میں تخیل کی آزادی ایک اہم عنصر ہے۔ رومانیت مروجہ اخلاقیات سے گریزاں ہے لیکن اس کی اپنی بھی ایک اخلاقیات ہے، رومانی ادیب جذبے اور وجدان کو ہر دوسری چیز پر ترجیح دیتا ہے، اسلوب اور خیالات دونوں میں اس کی روش تقلید کے مقابلے میں آزادی اور روایت کی پیروی سے زیادہ بغاوت اور جدت کا میلان رکھتی ہے۔ رومانی ادیب حال سے زیادہ ماضی یا مستقبل سے دلچسپی رکھتا ہے۔ حقائق واقعی سے زیادہ خوش آئند تخیلات اور خوابوں کی عجائبات و طلسمات سے بھری فضاؤں کی مصوری کرتا ہے۔"[1]

رومانیت در حقیقت ایک تخیلاتی انداز نظر ہے جس نے نہ صرف ادب بلکہ تاریخ اور فلسفہ کو بھی بہت متاثر کیا ہے، یہ احساس کے بانکپن اور تخیل کی لطافت کی وہ لہر ہے جو کبھی کبھی جذباتیت اور مبالغہ آرائی کی حدوں کو بھی چھو لیتی ہے۔

رومانیت در حقیقت ذہن کی مہم جوئی، لطافت کاری، ماضی پرستی، الوہی بے قراری، ایجاد خواہی اور روایت شکنی کے مشترکہ اجتماع کا نام ہے۔

یہ تمام خصوصیات کسی نہ کسی طور انسانی زندگی کا حصہ رہتی ہیں۔ اس لئے رومانیت کو ایک ذہنی تعمیری قوت بھی کہا جاسکتا ہے۔ نیو انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں رومانیت کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے۔

"Sweeping revolt against authority, tradition and Classical orders that pervaded western Civilization over a period that can be roughly detad from late 18th to the mid-19th century. More generally romanticisim is that attitude or state of mind that allies itself with the individual, the subjective, the irrational, the imaginative, on the emotional and that most often takes for its subject

1۔ ڈاکٹر سید عبداللہ "رومانیت" ادب لطیف جوبلی نمبر 1963ء لاہور

matter history, national striving, and the sublime beauties of nature."1

رومانیت کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اہل ادب کی وہ تین نسلیں جو 1770ء سے 1850ء تک مغرب کے ادبی منظرنامے پر چھائی رہیں انہیں ادبی تاریخ میں رومانوی کہا جاتا ہے۔ اور یہ اصطلاح دوسری اصطلاحات کی طرح قدرے غیر واضح مفہوم رکھتی ہے۔ دراصل وہ تمام اصطلاحات جو خیالات کی کشمکش اور آویزش سے متعلق ہوتی ہیں' ان کے مفہوم کو' بالکل واضح طور پر بیان کرنا یا سمجھنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس قسم کی دوسری اصطلاحات میں کلاسیکیت اور نشاۃ الثانیہ شامل ہیں۔ رومانیت کو بھی انہیں اصطلاحات کی طرح دو حوالوں سے سمجھنا چاہیے۔ اولاً انسان کی ذہنی صلاحیتوں کے حوالے سے اور ثانیاً اس عہد کے حوالے سے جب یہ صلاحیتیں ثقافتی سطح پر نمایاں ہوتی ہیں۔ خود رومانیوں کے ہاں بھی اس اصطلاح کو مختلف انداز سے برتا گیا ہے۔2 اس اصطلاح کو مختلف مفاہیم دینے کا مسئلہ نہ صرف بیسویں صدی تک محدود ہے بلکہ اٹھارویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے اوائل میں وہ اہل فن بھی اس مسئلے کا شکار رہے جنہیں عام طور پر "رومانوی" کہا جاتا تھا۔ ان میں سے بعض نے تو اس اصطلاح کو ایسے مفاہیم میں بھی برتا جو صرف ان کے مخصوص مقاصد کے ہی آئینہ دار تھے اور انہیں صرف اسی خاص صورت حال میں درست کہا جاسکتا ہے۔ جرمن ادیب فریڈرک شلیگل جس نے سب سے پہلے لفظ رومانیت کو ادبی سیاق و سباق میں متعارف کروایا وہ بھی اس مسئلہ سے دوچار رہا۔ اگرچہ اس نے 1797ء میں ایک سو پچیس صفحات پر مشتمل ایک مضمون میں اس اصطلاح کی وضاحت کرنے کی بھرپور سعی کی لیکن اس اصطلاح کی کسی ایک جامع تعریف یا کسی ایک واضح مفہوم تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔

رومانیت کی اس بحث سے یہ مراد لینا درست نہ ہو گا کہ یہ اصطلاح پیچیدہ مفہوم رکھتی ہے۔ بلکہ یہ اس کے ہمہ جہت مفاہیم کے حامل ہونے کی دلیل ہے۔ چنانچہ اگر رومانیت سے متعلق مختلف لوگوں کے خیالات و تصورات کو پرکھا جائے تو اس اصطلاح کے خدوخال بڑی واضح شکل میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ اس سلسلے میں جینکو لیورن لکھتے ہیں۔

۱۔" New Encyclopaedia Beritannica" Vol.10 15th edition 1986 Page 160

۲۔ The "Romantiism" (London 1979) by Lilliant Furst R. Page 7

"رومانیت اس داخلی قوت کا نام ہے جو نامعلوم کو دریافت کرنے اور نئی شے کی تخلیق پر آمادہ کرتی ہے۔ کلاسیکیت جس محرک قوت کو خارج سے تلاش کرتی ہے۔ رومانیت اس قوت کو انسان کے داخل سے بر آمد کرتی ہے۔ چنانچہ "یوٹوپیا" کی تخلیق اور عینیت پسندی رومانیت کے اہم عناصر شمار ہوتے ہیں۔"1

رومانیت کی اس تعریف سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رومانیت محض فراریت نہیں تھی بلکہ بدلے ہوئے حالات میں ایک نئی تلاش تھی۔ نئی قدروں کی بازیافت تھی' اس میں صرف پرانے اصولوں سے سرتابی ہی نہیں تھی بلکہ ان تمام معیارات اور ترتیب کو رد کرنے کی کوشش تھی جس سے جامد اصول تراشے اور مسلط کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ہر اس تحریک کو رومانیت سے وابستہ کر دیا گیا جو طریقہ راسخہ و قدماء سے الگ ہو اور نئی قدروں کی بازیافت کا حوصلہ رکھتی ہو۔ بقول مورس پیخام (Morse Pekham)

"The Romanticism developed a genuinely new social Role in itself almost sufficient evidence that the Nineteenth Century was experiencing a cultural earthquake; a convulsion at the perfoundest levels of being.2

تاریخ ادب میں رومانیت کو ان گنت معانی و مفاہیم میں استعمال کیا گیا۔۔ یہ معانی و مطالب کہیں مشترک نکات پر مبنی ہیں اور بعض مقامات پر ایک دوسرے سے یکسر مختلف بلکہ متضاد مفہوم بھی دیتے ہیں۔ بارزوں جیکوان (Barzun Jaquas) نے رومانیت کے متعدد نظریات کے حامل چند ایک عناصر کا ذکر کیا ہے' جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

"The word Romantic being used as a synonym for the following adjectives:

attractive, unselfish, exuberant, ornamental, unreal, realistic

---

۱۔ Janco Lavrin (Studies in European literature) (London 1929) Page 291

۲۔ The Triumph of Romanticism by Morse Peckham Page 37-38

Irrational, Materialistic, Futile, Heroic, Mysterious and Soulful, Noteworthy, Conservative, Revolutionary, Bombastic, Picturesque, Nordic, Formless, Formalistic Emotional Fanciful, Stupid."1

رومانیت کے بارے میں مذکورہ بالا تعریفوں کی روشنی میں کسی ایک مفہوم کو دریافت کرنا کافی حد تک ناممکن ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ اصطلاح ہر عہد میں کسی ایک مفہوم کے ساتھ ادب کو اپنی اہمیت و حیثیت کو تسلیم کروا چکی ہے۔ اس لئے اس کے بنیادی تصورات و افکار کا تعین (اگرچہ ہر دور میں مختلف رہا ہے) کافی حد تک واضح ہو چکا ہے۔ اس طرح رومانیت کے مرکزی نقطہ نظر کو ادب کے نقادوں نے تلاش کر لیا ہے۔ ایف ایل لوکاس لکھتے ہیں :

"اگر میں رومانیت کی ارسطوی تعریف پیش کرنے کی کوشش کروں تو یہ اس طرح ہوگی کہ رومانوی ادب زندگی کی خواب آلود تصویر ہے جو کہ حقیقت اور معاشرے کے قید کردہ جذبات کو تکمیل اور غنایت بخشتا ہے۔"2

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"فی الحقیقت رومانیت آزاد خیال کے مترادف ہے۔"

رومانیت در حقیقت ایک ذہنی کیفیت ہے۔ جو کبھی ایک خیال کی رو کی صورت میں اور کبھی ایک طرز احساس بن کر انسان کے دل و دماغ پر حاوی ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں ایک فرانسیسی نقاد لوئی ری نیڈ بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے :

۱۔" Classic, Romantic and Modern." By: Barzun Jacques (Chicago, University Press 1961-1974, Chapter X)

۲۔ F.L.Lucas. The decline & Fall of Romantic ideals (Cambridge 1954) Page 356

"رومانیت میں عقلیت کی بجائے جبلت' قانون کی بجائے مزاج' معاشرے کی بجائے نیچر' اخلاقی و فنی انضباط کی بجائے انفرادیت' جذباتی ہیجان' اور تخیل کی بجائے بے راہ روی کو اختیار کیا گیا ہے۔"[1]

پروفیسر ایبر کرومبی (Aber Crombie) نے رومانیت کے بارے میں محتاط اور زیادہ وقیع نقطہ نظر کو بیان کیا ہے۔ اس لئے ان کی رائے کو کافی حد تک مثبت قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"خارجی تجربے سے گریز کر کے داخلی تجربے پر توجہ مرکوز کرنا' رومانیت ہے۔"[2]

در حقیقت رومانیت انسان کے باطنی نظام سے ہی تعمیر و تشکیل پاتی ہے۔ اس لئے اسے' انسانی جذبات و احساسات اور اس کے بنیادی مزاج اور تخیلات سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔ چنانچہ ہربرٹ کے خیال میں:

"رومانیت فرد کے ذاتی تخیلات و جذبات کے تسلسل کا نام ہے۔ اور کلاسیکیت اجتماعی زندگی کی ترجمان ہے۔"

جبکہ والیئر کے نزدیک:

"حسن کے ساتھ عجوبگی کے امتزاج کا نام رومانیت ہے۔"

اور جے ایس برائٹ ان تمام نقطہ ہائے نظر کی توسیع میں یوں رقم طراز ہے:

"رومانیت فن آداب اور ضابطہ بندی کے رد کرنے اور اظہار بیان کے غیر مشروط خلوص اور سچائی کو اختیار کرنے کا نام ہے۔"

رومانیت سے متعلق اسی نظریئے کو ڈاکٹر محمد حسن نے اس طرح سے بیان کیا ہے:

"رومانیت اس طاقتور انا اور زبردست خودی کی مظہر ہے جو پرانے مسلمات کو رد کرتی ہے اور دنیا کو اپنے جذب و شوق کے سانچے میں ڈھالتی ہے۔"[3]

رومانیت سے متعلق لامحدود نظریات کسی ایک نقطے میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ تاہم بعض نقادوں نے اس سلسلے میں بڑی قابل قدر کوششیں کی ہیں۔ جن میں مورس پیخام کی رائے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

۱۔ بحوالہ ادبی دنیا۔ خاص شمارہ' دور پنجم شمارہ ہشتم صفحہ نمبر 11

۲۔ "Preface to World Literature."

۳۔ ڈاکٹر محمد حسن "اردو ادب میں رومانی تحریک" صفحہ نمبر 16

(Romanticism)- It has two primary referents; (1) a general and permament charactisitic of mind, art and personality, found in all periods and in all cultures; (2) a specific historical Movement in art and ideas which occurred in Europe and America in the Late eighteenth and early nineteenth centuries _____ Romanticism "as a revolution in art and ideas is often considered to be only an expression of general Redirection of European life which included also a political Revolution, and industrial revolution and perhaps several others.1

رومانیت کے مختلف رجحانات کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات بڑے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ بنیادی طور پر ایک ماورائی رجحان ہے۔ایک تخیلی اپیل ہے جس کی حرکت اور ظہور اس کا مہماتی اور سماوی تصور ہے۔جو مختلف زمانوں میں نئے روپ میں ادب وفن پر کا حصہ قرار پایا۔ان تصورات کی تفصیل میں جائیں تو اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ کلاسیکیت اور رومانیت دراصل دو متضاد ادبی رجحانات ہیں۔2 وفور جذبات' آزادہ روی' نرگسیت' انانیت' انفرادیت پسندی' وسعت طلبی' فطرت پرستی' جدت طرازی' جوش و ہیجان' قرون وسطیٰ سے دلچسپی' فلسفیانہ تصوریت و مثالیت' ادبی معاشرتی اور سیاسی قیود کے خلاف بغاوت' مافوق الفطرت' تحیر افروز اور پر اسرار امور سے دلچسپی' تصوف سے شغف' جبلی طرز عمل اور غیر متمدن فطری زندگی کی طرف مراجعت' پرجوش جذبات کا بے ساختہ

1- "The Triumph of Romanticism" by Morse Peckham University of South Caroline Press- Columbia-1971 Page No. 3

۲۔کشاف تنقیدی اصطلاحات۔مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد۔صفحہ نمبر92-91

اظہار، ہیئت پر مواد کی ترجیح، طریقہ راسخہ و قدما سے انحراف، عقل پر وجدان کی ترجیح، فطرت پسندی اور تخیل کی فراوانی، رومانیت کے نمایاں خد و خال ہیں۔ مختلف نقادوں نے رومانیت کے جن خصائص ور جحانات کو اس کی پہچان قرار دیا ہے۔ انگریزی نقاد ایبر کرومبی نے اپنے مقالہ (Romanticism) میں ان کا تذکرہ بڑے فصیح انداز میں کیا ہے۔ اس کے مطابق روح آزادی اور فطرت کی طرف مراجعت، فطرت کے خلاف بغاوت اور غارق عادت چیزوں سے دلبستگی، تیکنیکی خلوص، اجتماعی ابتری کی آئینہ داری، ماضی کا احیاء، ہیئت کی طلسم شکنی، اور فرد کا روایت کے خلاف اعلان جنگ، ایسے نمائندہ رجحانات ہیں جن پر رومانیت کی عمارت استوار ہوئی ہے۔

رومانیت کے بارے میں مندرجہ بالا تفصیلات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں کہ ان سب رجحانات کی ایک ہی روح ہے جو قالب بدل بدل کر سامنے آتی ہے اور جتنی مختلف صورتوں میں نظر آتی ہے اتنے ہی مختلف نتائج اس کی حقیقت کے بارے میں اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً لوکاس نے رومانیت کے بنیادی وصف کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "رومانیت دماغ کی غیر معتدانہ کامل صلاحیتوں کو کسی قدر آزادی دلانے کے کام آتی ہے، صحت مند زندگی اور ادب میں حد سے زیادہ خود شناسی، خود ضبطی اور بے انتہا آزادی کے بین ملتی ہے۔ یہ رومانیت ایک مفصل قسم کے ضبط نفس سے پیدا ہوتی ہے۔"[1]

رومانیت دراصل ایک ایسے طرز احساس کا اظہار کرتی ہے جس میں فکر کے مقابلے میں تخیل کی گرفت مضبوط ہو۔ رسم و روایت کی تقلید سے آزادی ہو اور خیالات کو سیلاب کی طرح، جدھر ان کا رخ ہو، آزادی سے رہنے دیا جائے۔ لارڈ برٹرنڈ رسل نے تاریخ، فلسفہ مغرب میں رومانیت کے سیاسی، عمرانی، فلسفیانہ اور ادبی پہلوؤں پر سیر حاصل اور پر مغز بحث کرتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

> "رومانیت، سیاسیات میں استبداد، عمرانیات میں فردیت، فلسفے میں خرد دشمنی، ادبیات میں جذباتیت اور اخلاقیات میں انانیت کی پرورش کرتی ہے۔"[2]

رومانیت کے بارے میں بہت سے مفکرین و ناقدین کی آراء اور خیالات کا مطالعہ کرتے ہوئے اس امر کا انکشاف ہوتا ہے کہ رومانیت فی الواقع ایک تیز دھارا ہے جس میں تمام جذبے، احساسات اور کیفیات مجتمع ہو جاتی ہیں۔

۱۔ F.L.Lucas: "The decline & Fall of Romantic ideals." Cambridge 1954 Page No. 367

۲۔ تاریخ فلسفہ مغرب از لارڈ برٹرینڈ رسل۔ بحوالہ ادبی دنیا۔ خاص شمارہ، دورہ پنجم، شمارہ ہشتم

لیکن اس کا سفر ہمیشہ جاری رہتا ہے۔ کبھی یہ ایک انفعالی کیفیت کی صورت میں انسانی معاشرے میں موجزن رہی اور کبھی معاشرتی رسوم و قیود کے خلاف بھرپور بغاوت کے روپ میں نمودار ہوئی' رومانیت فطرت کے نامیاتی تصور کے حق میں میکانکیت کے خلاف ایک احتجاج کی صورت میں ہمیشہ اپنی حیثیت کو تسلیم کرواتی رہی ہے۔

رومانیت ___ چند نمایاں رجحانات

تاریخ ادب کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ رومانیت بنیادی طور پر انفرادی ردعمل کا رویہ ہے۔ مروج' قوانین و ضوابط کے رومانیوں نے شدید احتجاجی طرز عمل اختیار کیا۔ اس لئے اس جذبے کو محض ذہنی کج روی' یا انا پرستی قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ اس رجحان کو پورے تاریخی پس منظر میں دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ رومانیوں نے ہمیشہ ادب و فن میں نئی روایات کو جنم دیا ہے۔ جرمن شاعر ہائنے نے لکھا ہے:

"ازمنہ وسطیٰ کا نئے سرے سے بیدار ہونا۔ یہ ہے رومانیت۔"[1]

انسانی زندگی کا ہر ایک دور اپنی مخصوص صداقتیں رکھتا ہے اور یہ صداقتیں صرف اس وقت تک رہتی ہیں جب تک ان میں زندگی ہو' زندگی کو آگے بڑھانے کی صلاحیت ہو' تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک مذہبی دور کے بعد ایک عقلی دور آتا ہے اور ایک عقلی دور کے بعد ایک رومانی دور آتا ہے' جو منطقیت کے فرسودہ شکنجوں کو توڑ کر ایک نیا ضابطہ حیات ترتیب دیتا ہے۔ رومانیت پسند ادیب بھی ادب اور زندگی کی فرسودہ روایات اور عقلی اقدار کے خلاف اعلان بغاوت کر کے' جذبات کی آزادی اور تخیلات کی فتح مندی کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ چنانچہ اسی لئے رومانیت میں جن رجحانات نے بہت نمایاں حیثیت حاصل کی ان میں عقلیت یا حقیقت سے دوچار ہونے سے انکار' انانیت' عملی اور اصلی زندگی کے لئے تخیلی نعم البدل کی تلاش' مصنوعی زندگی کے خلاف فطرت کی حمایت' معقولیت کے خلاف پر زور جذبات کی وکالت اور اپنے عہد کی ناقص سوسائٹی کے خلاف غیر متمدن اور وحشیانہ زندگی کی تعریف' خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

رومانیت کی ایک اہم خصوصیت تصوریت اور ماورائیت بھی ہے۔ رومانی ادیبوں کے ہاں میانہ روی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کا احساس بہت شدید اور تصور بلند ہوتا ہے۔ انتہا پسندی' رومانی ادیبوں اور نقادوں نے ہر جگہ دکھائی ہے۔ اگر انہوں نے آزادی کی بات کی ہے تو سارے بندھن توڑ کر رکھ دیئے' جدت پسندی پر آئے تو سارے پرانے معیارات مسترد کر دیئے' رومانیت ایک زبردست انا اور خودی کا نام ہے جو تمام دنیا اور اس کے ضابطوں کو اپنے سانچوں میں ڈھالنے کی کوشش کرتی ہے۔ اس کے یہ سانچے انسان نے خود اپنی خواہشات' جذبات اور تصورات کی مدد سے تخلیق کئے ہوتے ہیں۔

۱۔ علی عباس جلالپوری بحوالہ "اقبال کے رومانی افکار" ___ ادبی دنیا خاص شمارہ۔ دور پنجم' شمارہ ہشتم

۱۳۵۲۵

رومانیت نے ہر جذبے کو اس کی انتہائی شکل میں پسند کیا' بعض ناقدین نے رومانیوں کے اس رویئے کی شدید مذمت کی ہے اور ثابت کیا کہ رومانی ادیبوں اور شاعروں نے قوت و حیات کے مجسمے تراشے 'انسان کامل کے خواب دیکھے اور کبھی مافوق البشر ہونے کے تصورات میں کھو گئے۔ اسی طرح رومانیت پسندوں کو غیر معمولی احساسات کا انسان قرار دے کر ان کے شوق کی رفعتوں کو لامحدود ثابت کیا۔ ایک ناقد نے رومانیت کو (Cult of Energy) کہا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تمام رویئے کس پس منظر میں اختیار کئے گئے 'ان باتوں کو صحیح تناظر سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ رومانویت ایک رد عمل ہے 'معاشرتی جبر اور رسوم و قیود کے شکنجوں کے خلاف تاریخ عالم گواہ ہے کہ رد عمل ہمیشہ شدید ہوتا ہے 'اور اس میں توازن نہیں ہوتا ہے 'اصل مسئلہ تو اس طرز احساس کا ہے جس کے تحت یہ صورت حال وجود پاتی ہے 'یہ نصب العین نئے اصولوں کی تعمیر اور معاشرے کی تشکیل نو کا ہے 'رومانیت پسند ایک نیا نظریہ حیات چاہتے ہیں کیونکہ رومانیت آزادی کا نام ہے۔ مروجہ ضابطوں کو توڑ کر نئے معاشرتی رجحانات کو تخلیق کرنا 'اور انسان کے فطری حقوق اور جذبوں کی آزادی کو بحال کروانا' رومانیوں کا حقیقی منتہائے مقصود رہا ہے۔ اس لئے رومانیت ایک انقلابی رویہ ہے جو سوسائٹی کی فرسودہ اقدار کے خلاف ایک اعلان نامہ ہے۔

> ''رومانیت اقبال کی اصطلاح میں ایسی خودی کی یاد دلاتی ہے جو اطاعت نفس سے آشنا نہیں۔ اس لئے رومانیت کا جہاں فرد کا جہاں ہے 'جماعت کی حیثیت ضمنی ہے یا سرے سے مفقود ہے۔ یونانی فلسفے نے انسان کو ان تمام اشیاء کا معیار قرار دیا ہے اور رومانیت نے اس معیار کو برتا۔ پرانے اصولوں سے بغاوت کر کے ان کی لا محدود 'جذباتیت نے فرد کو نئی اہمیت دی۔ فرد کی سوسائٹی میں اسی مرکزیت کو ادب و فن میں اظہار کے نئے اسالیب کو جنم دیا۔''[1]

عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ رومانی اپنے آپ کو موجودہ معاشرے سے الگ کر لیتا ہے۔ اور وہ ماضی کے دھندلکوں میں کھو جاتا ہے۔ حالانکہ ایک رومانی معاشرے کو ایک حساس فرد کی حیثیت سے دیکھتا ہے۔ وہ فرار اختیار نہیں کرتا۔ بلکہ وہ اپنے عظیم ماضی سے کوئی مضبوط حوالہ تلاش کرتا ہے جس سے وہ اندھیرے اور گھناؤنے ماحول میں مستقبل کا راستہ ہموار کر سکے۔ وہ اپنے موجود سے آزردہ اور غیر مطمئن ہو کر ہی ماضی کی طرف پلٹتا ہے گویا اس کے دل میں صورت حال کو تبدیل کرنے کی خواہش اور جذبہ دوسرے لوگوں سے بدرجہ اتم زیادہ اور شدید ہوتا ہے۔ ماضی

۱۔ ڈاکٹر محمد حسن ''اردو ادب میں رومانی تحریک'' شیخ محمد بشیر اینڈ سنز۔ اردو بازار لاہور۔ صفحہ نمبر 15

پرست رومانی ادیب کبھی بھی اپنے حال سے علیحدگی اختیار نہیں کرتا بلکہ معاشرے کی جھلکیاں جابجا اس میں موجود رہتی ہیں۔

رومانیت کے بارے میں گورکی نے دو نقطہ ہائے نظر کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بقول :

"خود رومانیت کے مسلک میں غیر واضح اور الگ الگ رجحانات ملتے ہیں۔ ایک مجہول قسم کی رومانیت جو حقیقت پر زنگ چڑھا کر لوگوں کو اس کے ساتھ سمجھوتہ کرنے پر آمادہ کرتی ہے یا لوگوں کو حقیقت کے بارے میں رومانی نقطہ نظر دیتی ہے۔ اور حقیقت سے دور لے جاتی ہے انہیں داخلی دنیا کے بے معنی بے مصرف دھندوں میں پھنسا دینا چاہتی ہے جیسے فانی زندگی کا فلسفہ، عشق اور موت اور اسی قسم کے دوسرے مسائل جو فکر نہیں بلکہ صرف سائنس کی مدد سے حل کئے جاسکتے ہیں۔"

"دوسری فعال اور محرک قسم کی رومانیت ہے جو انسان کی زندہ رہنے کی خواہش کو تقویت پہنچاتی ہے۔"[1]

گورکی کی یہ رائے کافی حد تک درست ہے اور اس سے اتفاق کیا جاسکتا ہے لیکن یہ تضاد تو کم و بیش تمام افکار و نظریات میں رہتا ہے اور انہی متضاد نقطہ ہائے نظر سے صحیح صورت سامنے آتی ہے۔ چنانچہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ رومانیت منفی انداز فکر کی مظہر ہوتی ہے۔ بلکہ یہ زندگی کے ہر دو پہلوؤں کے حوالے سے انسان میں زندہ رہنے کی خواہش اور صلاحیت کو قوت اور تقویت بخشتی ہے۔ پہلی صورت میں بھی انسان ایک خاص فضا میں زندگی کی مسرتیں تلاش کرتا ہے۔ اور دوسری شکل میں بھی وہ زندگی کے لئے نئے اسباب اور جہان دریافت کرتا ہے، اس لحاظ سے رومانیت ہر سطح پر زندگی بخش ہے اور انسانی سوچ اور معاشرے کو آگے لے جانے کا سبب بنتی ہے۔

2 انسانی زندگی کے ارتقاء میں ہمیشہ دو تحریکیں سرگرم عمل رہی ہیں اور یہ ہمیشہ مدوجزر کی طرح کام کرتی رہی ہیں۔ ان میں ایک کا کام تنظیم ہے اور دوسری کا تخریب۔ ایک کا کام تحفظ ہے اور دوسری کا انقلاب، ایک کلاسیکی ہے۔ اگرچہ دوسری رومانی۔ بظاہر یہ تحریکات مخالف نظر آتی ہیں لیکن دراصل ان میں موافقت ہے، ہر ہیجانی دور کے بعد ایک

۱۔ علی سردار جعفری "ترقی پسند ادب" انجمن ترقی اردو ہند۔ علی گڑھ 1968ء

۲۔ جینکو لیورن (Janco Lavrone) بحوالہ "کلاسیکیت و رومانیت" مرتبہ یوسف زاہد۔ صفحہ نمبر 79

نظم و ضبط کا دور آتا ہے۔ اور جب اس قدامت پسندی کی وجہ سے زندگی پر جمود طاری ہو جاتا ہے تو دنیا کو ایک انقلابی تحریک کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تاکہ زندگی گھٹ کر نہ رہ جائے۔ بالکل اسی طرح شخصی زندگی میں دو عوامل کام کرتے ہیں۔ اس کے معقول نصف کار جحان عام طور پر ضبط اور تنظیم کی طرف ہوتا ہے۔ اور دوسرا غیر معقول نصف جس کا مقصد ہر اس چیز کو تباہ کرنا ہے جو حرکی ہو یا جس سے نشوونما کی طاقت سلب ہو چکی ہو۔ اگر ان دو عوامل میں سے صرف ایک ہی زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے تو زندگی میں انحطاط شروع ہو جاتا ہے اور اگر صرف معقولیت ہی کو دخل ہو تو آہستہ آہستہ ترقی اور حرکت مفقود ہو جاتی ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ ایسے ادوار میں جن میں عقل کو اقتدار حاصل رہا وہاں جذبات، جوش مذہبی یا باطنی محرکات کو مشتبہ نظروں سے دیکھا گیا' اگر غیر معقول ہیجانات زندگی پر قابو پالیں تو ہمارا نفسیاتی نظام' قوت ارادہ بلکہ دماغی توازن تک خراب ہو جائے گا۔ انسانی ترقی کے لئے یہ لازمی ہے کہ ہمارا معقول دور اور غیر معقول محرکات میں توازن قائم رہے۔ لیکن چونکہ یہ گھٹتے بڑھتے رہتے ہیں۔ اس لئے یہ توازن قائم نہیں رہتا۔ یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ زندگی کی ضروریات آج ہمیں ایک نظریہ قبول کرنے پر مجبور کر دیں جو آج تک مہلک خیال کیا جاتا تھا۔ اس لئے کہ انسانی زندگی کا ہر دور اپنی ایک الگ سچائی رکھتا ہے۔ اور جب تک یہ سچائی اس عہد کا ساتھ دیتی ہے' سلامت رہتی ہے' لیکن جب عہد بدل جاتا ہے تو وہ نئی سچائیاں اور نئے معیارات لے کر آتا ہے۔ اسی طرح رومانیت بھی اپنے ساتھ زندگی کے نئے معیارات لے کر آتی ہے اور اپنے سے پہلے زندگی اور ادب و فن سے متعلق تمام اصولوں اور معیارات کو مسترد کر کے نئے ضابطے وضع کرتی ہے۔

1 رومانیت حالات و واقعات کی بدلتی ہوئی شکلوں کے ساتھ ساتھ مختلف صورتیں اختیار کر لیتی ہے۔ مثلاً اقتصادی افراتفری اور سماجی تخریب کے ادوار میں ایسے افراد پیش پیش ہوتے ہیں جو اپنے ماحول کو قبول نہیں کر سکتے' ماحول کو قبول کرنے نہ کرنے کے کئی اسباب ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان میں جدوجہد اور ناموافق حالات سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہوتی۔ دوسرے وہ اپنے ماحول سے مطابقت کی صلاحیت نہیں رکھتے یا ان کی خواہشات ذوق نظر یا مطالبات اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ان کی تکمیل اس دنیا میں ناممکن ہوتی ہے۔ پہلی دو حالتوں میں لوگ اپنی تسلی کے لئے خیالی یا جذباتی نعم البدل بنا لیتے ہیں جبکہ تیسری قسم کے لوگ نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ وہ زندگی سے بغاوت کرتے ہیں اور نفی پسند ہو جاتے ہیں اور وہی چیز ایک ساز گار ماحول میں تعمیری قوت بن جاتی ہے۔ یہ فعالی کی رومانیت ہے۔ جو فرد کی انا کو اتنا بلند کر دیتی ہے کہ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ وہ اور لوگوں سے بمدارج بہتر اور اعلیٰ ہے۔ اور یہی جذبہ اسے

ا۔ بحوالہ "کلاسکیت و رومانیت" مرتبہ یوسف زاہد۔ مجید بک ڈپو لائل پور' س۔ن۔ مضمون: (رومانیت کیا ہے۔ از جینکولیورن) صفحہ نمبر 81

نامساعد حالات سے لڑنے اور مقابلہ کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ رومانیت آخری نتیجے میں ایک تعمیری قوت بن کر عہد کو تبدیل کرنے کے لئے ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ ایک مستعد رومانی سوسائٹی پر کڑی تنقید کرتا ہے۔ یا آمادۂ بغاوت ہو جاتا ہے' وہ سوسائٹی کو اپنا دشمن خیال کرتا ہے۔ ایک طرف نراج کا پرچار کرتا ہے اور دوسری طرف باغیانہ انا کی حمایت کرتا ہے۔ دنیا سے کنارہ کرنے کی بجائے وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ لیکن مطابقت کی خاطر نہیں بلکہ وہ اپنی بغاوت کو اجاگر کرنے کے لئے اس کی برائیوں اور کمزوریوں اور بدعنوانیوں کو بے نقاب کرتا ہے' یہ بغاوت' یہ انکار بڑھتے بڑھتے معاشرے کی تبدیلی کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے' یوں ایک رومانی سوسائٹی کو نئے قالب میں ڈھالنے کے سلسلے میں یہ ایک اہم کردار ادا کرتا ہے۔

ادبی لحاظ سے رومانیت کا سب سے نمایاں پہلو یہ ہے کہ اس میں پرجوش جذبات کے بے ساختہ اظہار کو اولین اہمیت دی جاتی ہے۔ رومانی شاعر یا ادیب اظہار نفس کے راستے میں کسی قسم کی مزاحمت برداشت نہیں کر سکتا اس کے ہاں موضوع (Matter) میں ہیئت (Form) بہت زیادہ اہم ہے۔ وہ تخیلات اور محسوسات کو اسالیت کی پابندیوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔ اس بات کو نقاد رینی ویلک (Renewellek) نے واضح کرتے ہوئے لکھا ہے:

> "رومانیت تین عناصر ترکیبی کی حامل ہوتی ہے' شاعرانہ تخیل' اشیاء کو دیکھنے کا فطرت آمیز رویہ اور اس کے شاعرانہ اظہار کی علامتیت اور اسلوب۔"1

اس نقطہ نظر کے حوالے سے جو بات نمایاں طور پر سامنے آتی ہے وہ زیادہ تر اشیاء کو ایک مخصوص انداز نظر سے دیکھنے کی صلاحیت اور اس کے اظہار کے اس سلیقے کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اپنے باطن میں شاعرانہ طرز احساس رکھتا ہے' اس کے ساتھ ساتھ اسلوب اور علامتی نظام میں بھی شاعرانہ آہنگ رکھتا ہے۔ تخیل سے اس کی مراد تخلیقی تخیل (Active Imagination) ہے۔ اس کے نزدیک فنکار وہ ہوتا ہے جو کہ تصورات کو حقیقت میں بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ بالکل اسی طرح سے جیسے ایک فلسفی نئے خیالات کو حقائق میں تبدیل کرنے کی صلاحیت سے مالا مال ہوتا ہے۔ اس کے نزدیک فلسفی شاعر وہ عظیم شخص ہوتا ہے جس میں یہ دونوں باتیں یکجا ہو جاتی ہیں یوں وہ فلسفی شعراء کو

1۔ بحوالہ (The Triumph of Romanticism) Morse Pekham صفحہ نمبر 6
مضمون بعنوان The Concept of Romanticism-Comparative Literature
Issue I,II, By (Rene-Wellek) 1949

ایک اعتبار سے رومانویوں کے قریب لے آتا ہے اور اس اصول کو شاعری تک ہی محدود نہ سمجھا جائے بلکہ دیگر تخلیقی اصناف پر بھی اس کا اطلاق اسی طرح سے ہو گا۔

رومانیت کے ذیل میں ایک بحث مثبت اور منفی رومانیت کے حوالے سے بھی جاری رہی ہے۔[1] منفی رومانیت کے حوالے سے جو نام سب سے پہلے سامنے آتا ہے وہ کارلائل کا ہے۔ اس کے خیال کی رو سے منفی رومانیت کی علامت وہ افراد ٹھہرتے ہیں جو احساس جرم سے سرشار، مایوسی اور سماجی و عالمی مغائرت کا شکار ہوں، ان لوگوں کو عام طور پر اس صورت میں پیش کیا جاتا ہے کہ گویا انہوں نے ماضی میں کوئی اتنے خوفناک جرائم اور گناہ کئے ہیں کہ وہ قدرت کے نزدیک بھی راندۂ درگاہ ہیں۔

در حقیقت یہ نقطہ نظر ایک خاص زمانے میں ایک خاص صورت حال میں وجود پذیر ہوا۔ جبکہ سوسائٹی ایک ایسے دور سے گزر رہی تھی جہاں کا طبقہ امراء، معاشی آسودگی کے باعث بے راہروی اور اخلاقی دیوالئے پن کا شکار تھا اور اس کے ردعمل کے طور پر عام لوگوں کے ہاں بھی وہ مایوسی، احساس جرم اور سماجی مغائرت سرایت کر رہی تھی جسے کارلائل منفی رومانیت کے اجزائے ترکیبی کے طور پر بیان کرتا ہے۔

اس کے برعکس مثبت رومانیت کا تصور محض انفرادیت پسندی اور مایوس ہو کر معاشرے سے کٹ جانے کا عمل نہیں بلکہ یہ اپنے اندر ایک تبدیلی کی خواہش بھی سموئے ہوئے ہے۔ اس اصول کے تحت فرد تنہائی سے سمجھوتہ کرنے کی بجائے اپنی انا، خود داری اور جذبات انگیز خیالات کی بنیاد پر اپنے وجود کا کائنات سے رشتہ استوار کرتا ہے اور اپنی ذات اور کائنات کے باہمی تعلق اور اس کی حقیقی معنویت تک رسائی کے لئے سعی کرتا ہے۔

اس بحث سے متعلق ایک وضاحتی نقطہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منفی رومانیت میں فرد کائنات اور معاشرے دونوں سے کٹا ہوا ہوتا ہے اور یوں وہ معاشرتی اور کائناتی دونوں سطحوں پر مغائرت کا شکار ہوتا ہے۔ جبکہ مثبت رومانیت میں فرد کائنات سے تو جڑا ہوتا ہے لیکن اپنی سوسائٹی سے اس کا تعلق نہیں جڑ پاتا تو اس احساس کے زیر اثر وہ اس معاشرے کو تبدیل کرنے کی طرف مائل ہونے لگتا ہے، تبدیلی کی یہی خواہش اس تمام تر بحث کے نتیجے کے طور پر مثبت رومانیت کا عنوان بنتی ہے۔

اس طرح رومانیت آزادی، فطرت کی طرف واپسی اور بے لاگ پرستش پر زور دیتی ہے۔ اور حسن، محبت اور سماجی سطح پر انقلاب کا ایک نیا جہان آباد کرتی ہے اور یہی رویہ ادب میں حقیقت پسندانہ رجحانات کا معیار متعین کرتا

1۔ "The Truimph of Romanticism" by Morse Peckham Page No.22

ہے۔ رومانوی حقیقت پسندوں کے ہاں جذبات کی انتہا پسندی کے اسباب کی تلاش کا عمل پایا جاتا ہے اور کچھ اسے صوفیانہ انداز نظر سے دیکھتے ہیں' اور جو اس کا علاج ڈھونڈنے نکلتے ہیں وہ انسان کو قبل تہذیب کے اس دور میں لوٹ جانے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں جذبات کو آسودہ ہونے کا موقع ملے' عقل اور تہذیب کی گرفت سے آزاد ہو کر رومانوی حقیقت پسند زندگی کو سادہ اور آسان بنانا چاہتے ہیں۔ وہ جذبے کے تحت حدود کو پامال کرتے ہیں اور جذبے اور تخیل کی مدد سے جبلتوں کو بیدار کرنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

رومانوی حقیقت پسند ادب میں' فطرت کی ٹھنڈی ہواؤں' پھل' درخت' سبزہ' اپنی پوری جزئیات سمیت در آتا ہے' کیونکہ فطرت ماں کی گود کی طرح ہے جس میں انسان پناہ لے کر سکون اور مسرت محسوس کرتا ہے۔ رومانوی حقیقت پسندوں کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ فطرت پرستی کے جذبے سے اپنے شاندار ماضی اور اساطیر سے عقیدت کو بیدار کرتے ہیں' یوں ماضی کے کارناموں کو رومانوی ادب میں اجاگر کر کے ایک مثبت عمل اختیار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح جب رومانوی حقیقت پسندوں کو آسودہ جذبات کے اظہار کے لئے موجودہ صورت حال میں کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا تو وہ عالم تصور میں ایسے کرداروں کو تلاش کرتے ہیں جو جذبات کو آسودہ کرنے میں مددگار ثابت ہوں۔ اسی لئے وہ عہد قدیم کے مافوق البشر کرداروں سے اپنا رشتہ جوڑتے ہیں۔ کہ وہ ناآسودہ حالات سے نجات پا سکیں' اسی جذبے کے تحت وطن پرستی اور آزادی کے جذبات بیدار ہوتے ہیں۔ ان کے ہاں تبدیلی کی خواہش' وطن کو ہر طرح کی پابندیوں سے آزاد اور اسیر جذبوں کو رہا کروانے کا حسین اور انقلابی جذبہ ہے جو ادب و فن میں مثبت اور حقیقت پسندانہ رجحانات کا نقیب ہے۔

فکر کی تبدیلی ہیئت پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رومانوی حقیقت پسند ادیب قدیم اصولوں کی بجائے نئے ادبی معیارات کا تعین کرتا ہے۔ ترنم کے اسالیب تراشتا ہے اور موسیقی میں نئی تہذیب کی روایت کو جنم دیتا ہے۔ ایک رومانوی ادیب احساسات و جذبات ہی کے ذریعہ حقیقت تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ ایک رومانوی ادیب فطرت پرستی' ماضی سے وابستگی' وطن پرستی' قدیم تاریخ سے دلچسپی' آزادی کے جذبات اور انقلاب کی خواہش کو اپنی تخلیقات کا موضوع بناتا ہے۔ اس کے نزدیک عقل محض چراغ رہگذر ہے اور جذبات اور وجدان ہی وہ روشنی اور آگ پیدا کرتے ہیں جو کائنات کو نئے اجالوں سے روشناس کرتی ہے۔ چنانچہ رومانیت ایک ایسے طرز احساس کے طور پر ابھر کر سامنے آتی ہے جو محبت' آزادی اور انسان دوستی کے خیالات کو پروان چڑھاتی ہے۔ اور معاشرتی تبدیلی میں ایک انقلابی اور تاریخی کردار ادا کرتی ہے۔

رومانیت کے بارے میں مذکورہ بالا نمائندہ رجحانات نے ہر دور کے ادب و فن اور فلسفہ معاشرت پر اپنے دور رس گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ ''مغرب میں رومانی تحریک'' اسی بات کا تاریخی ثبوت فراہم کرتی ہے۔

مغرب کی رومانی تحریک

پس منظر

ادب کی دنیا میں رومانی تحریک سے پہلے ہمیشہ کلاسیکیت کا ذکر ملتا ہے۔ چنانچہ یہ مناسب ہو گا کہ مختصراً کلاسیکیت کے مفہوم اور اس سے وابستہ تصورات کو زیر بحث لایا جائے تاکہ رومانی تحریک کا پس منظر ابھر کر سامنے آ سکے۔

کلاسیکی اور کلاسیکیت کی اصطلاحیں لفظ "کلاسیک" (Classic) سے اخذ کی گئی ہیں، جس کے معنی ہیں "سب سے اعلیٰ درجے کا" سولہویں تا اٹھارہویں صدی کے دوران یہ اصطلاحیں قدیم رومی اور یونانی ادب کے لئے استعمال ہوتی تھیں۔ مغربی ادب کے مورخ "کلاسیکی" یا "نو کلاسیکی" کی اصطلاحیں خاص طور پر اس ادب کے لئے استعمال کرتے ہیں جو سترہویں صدی کے اواخر اور اٹھارویں صدی تقریباً ساری (1660ء سے 1800ء) تک تصنیف ہوا۔ کیونکہ اس دور میں "رومی ادب" کی اشکال، اقدار اور اطوار برتنے کی کوشش کی گئی۔ اس دور میں فرانس کی "کلاسیکی تحریک" انگلستان کی تحریک سے زیادہ طاقتور تھی اور فرانسیسیوں نے قدیم رومی ادب کے اصول و قواعد برتنے میں زیادہ سختی سے کام لیا۔

قبل ازیں انگلستان کی تاریخ میں گیارہ سال کی "پیوریٹن حکومت" ایک ایسا دور تھا (1649ء تا 1660)۔ جب انگلستان کا سیاسی نظام بادشاہت پر نہیں بلکہ جمہوریت (Republic) پر مبنی تھا۔ مگر 1660ء میں چارلس اول کے بیٹے چارلس دوم کی تخت نشینی کے بعد بادشاہت انگلستان میں بحال ہو گئی۔ اسے تاریخ میں بحالی بادشاہت (Restoration) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ چارلس اول کی شکست کے بعد ولی عہد اور اس کے درباریوں نے فرانس میں پناہ لی اور بادشاہت کی بحالی تک وہیں مقیم رہے، بحالی بادشاہت کے نتیجے کے طور پر جب چارلس دوم (ولی عہد) اور اس کے درباری انگلستان واپس آئے تو فرانسیسی دربار اور کلچر کے اثرات بھی اپنے ساتھ لائے۔ پیوریٹن حکومت نے تفریحات پر پابندی لگا رکھی تھی۔ چارلس دوم نے مذہبی تہواروں کو عام کھلے بندوں منانے کی اجازت دے دی۔ تفریحات پر سے پابندی ہٹالی اور تھیٹروں کو بھی پھر سے کھلوا دیا، یوں جب گیارہ سال کی سختی اور پابندی سے دبی ہوئی جبلتوں کو آزادی ملی تو دربار اور درباریوں میں آزادی انتہا کو پہنچ گئی۔ ادب میں یہ اثرات خاص طور پر ڈرامے میں رونما ہوئے۔ فرانس سے آئے ہوئے نئے اثرات ڈرامے پر بظاہر حاوی نظر آتے تھے مگر حقیقت یہ ہے کہ ایک نیا دور جنم لے رہا تھا اور زمانہ استدلال کی چوکھٹ پر پہنچ چکا تھا۔ لوگوں کا رجحان عقلیت اور

استدلال کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اس کو ادب میں ''نو کلاسیکیت'' کا نام دیا گیا اور یہ ذہنوں کو عقلیت کے دور (Age of Reason) میں لے آیا۔

کلاسیکی نصب العین یہ تھا کہ ادب کو ذہن، عقل یا دماغ کے قابو میں لے آیا جائے۔ اس دور میں معمولی اور عام فہم باتوں کو اعلیٰ خیالات پر ترجیح دی جانے لگی اور خیالات اور طرز کے درمیان توازن پر زور دیا گیا۔ ادب کا اصول یہ ٹھہرا کہ کہاں تک وہ قدما کی تقلید ہے۔ چنانچہ ادب میں جوش و جذبے اور تخیل کی جگہ صنائی اور بناوٹ نمایاں ہونے لگی۔ اگرچہ بعض ادباء کے ہاں اس دور میں بھی ادب کے اعلیٰ نمونے ملتے ہیں۔ مگر مجموعی صورت حال میں بناوٹ اور تصنع ہی ادب پر غالب نظر آتے ہیں۔ یوں کلاسیکیت نے ایک خاص قسم کے توازن کی تلاش میں زندگی اور اس کے حسن کو چند گنے چنے دائروں میں اسیر کر ڈالا۔

اٹھارویں صدی کے اواخر میں انقلاب فرانس کا رونما ہونا ایک ایسا واقعہ تھا جس نے نہ صرف فرانس میں بلکہ یورپ میں زندگی کے تمام شعبوں پر اپنے اثرات مرتب کئے۔ اس کے نتیجے کے طور پر آزادی، مساوات اور بھائی چارے کی اصطلاحات یورپ میں عمومی مباحث کا موضوع بنیں۔ انقلابی سوچ اور فرد کی آزادی کا خیال عام ہونے لگا۔ جہاں سارا معاشرہ مجموعی طور پر ان خیالات کے زیر اثر آیا۔ وہاں ادب نے بھی ان اثرات کو قبول کیا۔ کلاسیکیت کی اکتا دینے والی عقلیت پسندی اور اصول پرستی اور ہیئت پسندی سے ہٹ کر تخیل آفرینی، جذباتیت اور احساس جمال کو ادب کی بنیاد قرار دیا جانے لگا۔ یہ خیال درست ہے کہ ابتداء میں سب کچھ کلاسیکیت کے ردعمل کے طور پر سامنے آیا۔ تاہم بعد میں دوسرے عوامل نے بھی اپنا کردار ادا کیا اور نتیجتہ" وہ ادب تخلیق ہونے لگا جسے ادبی تاریخ میں ''رومانوی ادب'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔

رومانی تحریک کے سلسلے میں سب سے اہم نام جو ابتداء میں سامنے آتا ہے وہ فرانسیسی مفکر روسو کا ہے جسے بجا طور پر رومانیت کا پہلا علمبردار کہا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنی کتاب (The Social Contract) میں یہ آواز بلند کی:

''انسان آزاد پیدا ہوا ہے مگر وہ ہر جگہ پابہ زنجیر ہے۔''1

روسو کی اس آواز کو رومانیت کا ابتدائیہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے اپنے عہد میں کلاسیکیت اور تحریک روشن خیالی سے وابستہ فرسودہ تصورات اور اس کی جکڑ بندیوں کو بڑی شدت سے محسوس کیا اور فرد اور معاشرے کو ان قیود

1۔ بحوالہ ڈاکٹر محمد حسن۔ اردو ادب میں رومانوی تحریک۔ شیخ بشیر اینڈ سنز۔ لاہور (س ن) صفحہ 8

سے رہائی دلانے کا خواب دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ عقلیت اور مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب نے انسان کو اس کی سب سے بڑی دولت یعنی جذبات سے محروم کر دیا ہے اور عقل کو آخری معیار قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ کچھ نظری نتائج ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے سلسلے میں صرف اور صرف عقل اور منطق ہی حرف آخر نہیں ہو سکتی۔ اس نے اس نکتے کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کیا کہ احساس کو عقل پر فوقیت حاصل ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ عقل جذبات و احساسات کی گرمی کے بغیر انسانی زندگی کو کبھی مطمئن نہیں کر سکتی۔ روسو کے ان خیالات کے زیر اثر اس عہد کے لوگوں میں عقلیت پرستی کے خلاف ایک فطری ردعمل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

روسو کا تعلق بنیادی طور پر سیاسیات اور عمرانیات سے تھا۔ چنانچہ ابتدائی طور پر رومانوی تحریک کا تعلق ادب کی بجائے سیاست اور عمرانیت سے ہی رہا۔ بعد ازاں وہی فلسفہ جو روسو نے عمرانی اور سیاسی حوالے سے متعارف کروایا اس کے اثرات ادب میں بھی ظاہر ہوئے۔ اس کے فلسفے کا مقصد اس عہد کی کلاسیکی اقدار کے خلاف علم بغاوت بلند کرنا تھا۔ کلاسیکیت پسندوں کے ہاں جو "جمالیاتی تصور" تھا روسو کو اس تصور سے شدید اختلاف تھا۔ جمالیات کو جن لگے بندھے اصولوں' اور فرسودہ سانچوں کے تابع کر دیا گیا تھا وہ اس کے لئے قابل قبول نہیں تھے۔ وہ جذبات کو سب سے اہم اور افضل مقام پر فائز کرتا تھا اور اس کا اپنا تصور جمالیات' جذبات کے اشتراک کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تھا۔ وہ تو یہاں تک سمجھتا تھا کہ ادراک اور جذبات میں تضاد نہیں ہے بلکہ اس کے نزدیک یہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ اور حقیقت تک رسائی احساس و جذبات کے توسط سے ہی ممکن ہو سکتی تھی۔ روسو کے یہی خیالات آگے چل کر رومانی ادیبوں کی تحریکوں میں اجاگر ہونا شروع ہوئے اور رومانیت رفتہ رفتہ ایک مکتبہ فکر کی حیثیت اختیار کرنے لگی۔

مختصراً" یوں کہا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی کی کلاسیکی تحریک نے ادب کو جن شکنجوں میں جکڑ دیا تھا۔ اور فرد کے داخل اور باطن میں جو بعد پیدا کر دیا تھا اس کے خلاف سب سے پہلے اٹھنے والی آواز روسو کی ہی تھی جو رومانی تحریک کی شکل میں نمودار ہوئی۔ اس کی بدولت تخلیق کا وہ فطری بہاؤ جو جمود کا شکار ہو گیا تھا پھر سے بحال ہو گیا۔ جذبے اور تخیل کی آزادی نے حیات کے ایک نئے تصور کو جنم دیا اور مغربی ادیبوں اور شعراء کی تحریروں میں یہی طرز حیات نمایاں طور پر نظر آنے لگا۔ یہی طرز نگارش مغرب کی رومانی تحریک کے بنیادی خد و خال کو واضح صورت عطا کرنے لگی۔

مغرب میں رومانی تحریک کی پہلی لہر اٹھارہویں صدی کے اواخر میں انگلستان اور جرمنی میں آئی۔ انگلستان میں رومانیت کے لئے راستہ اسی صدی کے دوران بتدریج ہموار ہوا۔ اس دوران (Shaftes Burn) کے فلسفے (Thomaspercy) کی حساسیت (Sensibility) اور آخر کار (Robert Burn) کی لوک لہجے کی

لہجے کی شاعری نے رفتہ رفتہ ورڈزورتھ اور کالرج کے لئے ایسی زمین ہموار کی جس میں رومانیت کی کاشت ممکن ہو سکے۔ 1798ء میں منظرعام پر آنے والی کتاب (Lyrical Ballads) کی صورت میں رومانیت پہلی بار ثمر آور ہوئی۔

ورڈزورتھ کو شعرائے فطرت میں بہت اہم شاعر مانا جاتا تھا۔ وہ فطرت کی طرف مراجعت کا علمبردار تھا۔ اسے مناظر فطرت سے بہت محبت تھی۔ اس کا خیال تھا کہ انسان اور فطرت میں مکمل ہم آہنگی ہونی چاہیے۔ اور یہ کہ انسان "سیاسی ہستی" نہیں بلکہ "فطری ہستی" ہے۔ اس کے خیال میں :

> "انسان اور فطرت ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہیں اور انسان کا دل و دماغ' فطرت کی دلچسپیوں اور حسین ترین خصوصیات کا ایک قدرتی آئینہ ہوتا ہے ____ اسی وجہ سے شاعر خوشی کے اس جذبے سے متاثر ہوتا ہے۔"1

ورڈزورتھ (1770ء سے 1850ء تک) کے شعری مجموعے نے نوکلاسیکیت سے رشتوں کو یکسر منقطع کر دیا۔ اس میں شامل نظمیں مختلف ہیئتوں میں لکھی گئیں اور ان میں مافوق الفطرت عناصر' شاعر کے ذاتی جذبات و احساسات کو شاعری کا موضوع بنایا گیا اور ان کی زبان عام بول چال کے قریب تھی۔ اس سلسلے میں ورڈزورتھ کے دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ اس دیباچے میں اس نے واضح طور پر اپنی شاعری اور نوکلاسیکیت میں حد امتیاز کو بیان کیا۔ وہ لکھتا ہے :

> "(میری شاعری) کا مقصد یہ ہے کہ عام زندگی سے حالات اور واقعات اخذ کئے جائیں۔ پھر ان کو بیان کیا جائے اور ایسی زبان میں بیان کیا جائے جو سچ مچ بولی جاتی ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس بیان میں تخیل کی اس طرح رنگ آمیزی کر دی ہے کہ عام واقعات ایک غیر معمولی شکل میں نظر آنے لگے۔ اور سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ان واردات میں قوانین فطرت کی تلاش کے ذریعے صحیح معنوں میں (نہ کہ نمائش طور پر) خاص کشش پیدا کی جائے اور پھر ایک بڑی بات یہ بھی ہے کہ یہ بیان اس انداز سے ہو جو جوش کے وقت خیالات کے عین مطابق ہو۔"2

۱۔ دیباچہ ("Lyrical Ballads") "Wordsworth" By ترجمہ از مہرالنساء یوسف' بحوالہ مقالہ ایم۔اے اردو پنجاب یونیورسٹی۔ 1956ء لاہور۔ صفحہ نمبر 16

۲۔ دیباچہ "LyricalBallads" ترجمہ از مہرالنساء بحوالہ مقالہ ایم۔اے اردو صفحہ نمبر 3

ورڈزورتھ نے شاعری کو گہرے احساسات کے اظہار کا بے ساختہ پن قرار دیا جس کے نتیجے کے طور پر احساس انبساط حاصل ہو سکے۔ اس کے نزدیک 1 اچھی شعری تخلیق شدید جذبات کے قدرتی بہاؤ سے عبارت ہے۔"

ورڈزورتھ کی رومانیت ایک مثبت اور تعمیری پہلو رکھتی ہے۔ وہ انسان کی فطری آزادی کا خواہش مند ہے۔ انقلاب فرانس کے واقعات نے اس کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے اور خاص طور پر جب انگلستان نے اتحادیوں کا ساتھ دے کر فرد کی آزادی پر کاری ضرب لگائی تو وہ غم سے نڈھال ہو گیا' چنانچہ اس نے فطرت کے حسن میں اپنے دکھ کا مداوا تلاش کیا۔ شاعری کے لئے اس نے دیہات کی سادہ زبان استعمال کی اور اسے وہ طلسم عطا کیا جو قاری کے ذہن کو منور کر دیتا ہے۔ بقول ایف' ایل' لوکاس :

"ورڈزورتھ نے اپنی زبان دیہات کے جھونپڑوں سے تلاش کی۔"2

وہ اپنی زبان و بیان اور نظریہ فن کے متعلق خود لکھتا ہے :

"قاری سے جیتی جاگتی زبان میں بات کرتا ہوں اس لئے کہ اس سے میرا قاری لطف حاصل کرے گا' شاعرانہ زبان سے دور رہنے کی میں نے اتنی ہی کوشش کی ہے جتنی دوسرے شاعر اس کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں' اس سے میرا مقصد اپنی شاعری کی زبان کو عام زبان کے قریب لانا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ میں پڑھنے والوں کو ایسی مسرت سے ہم کنار کرنا چاہتا ہوں جو ایسی مسرت سے مختلف ہے جو اکثر لوگوں کے نزدیک شاعری کی غرض اصلی ہے ____"

"شاعری فرشتوں کے آنسوؤں کا نام نہیں بلکہ عبارت ہے' قدرتی اور انسانی آنسوؤں سے۔"3

شاعری سے متعلق ان خیالات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ورڈزورتھ کے رومانی نظریات بنیادی طور پر فرد کی آزادی اور معاشرے کو ازلی مسرتوں سے ہم کنار کرنے سے عبارت ہیں۔ وہ جیتے جاگتے انسانوں سے محبت' سادگی اور درد مندی سے مخاطب ہے۔ اس کی جذبات و احساسات کی ایک اپنی دنیا ہے جہاں فطرت کی دلکش رنگینیاں

۱۔ دیباچہ Lyrical Ballads' ترجمہ از مہر النساء بحوالہ مقالہ ایم۔اے اردو صفحہ نمبر3

۲- F.L.Lucas "The decline and Fall of Romantic Ideals" Cambridge 1954 P.47

۳۔ دیباچہ Lyrical, Ballads By Wordsworth ترجمہ مہر النساء' مقالہ ایم اے اردو صفحہ نمبر8

انسان کے دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہیں اور انسان کو بے پایاں حقیقی مسرت عطا کرتی ہیں۔ اس بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> "ورڈزورتھ نے اپنی خیالی جنت سے حقیقی زندگی کو یکسر خارج نہیں کیا بلکہ بقول کالرج اس نے رسم و رواج میں ڈوبے ہوئے ذہن کو بیدار کرنے اور اسے نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے دنیا کے عجائبات اور اس کی دلاویزی کی طرف متوجہ ہونے کا مشورہ دیا ہے۔"1

چنانچہ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ورڈزورتھ نے انسان کو فطرت سے اپنے ازلی رشتوں کو بحال کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ اسے اپنی ذات کی تعمیر و تشکیل کا حوصلہ مل سکے۔ اور وہ معاشرے میں مسرتیں بانٹ سکے۔ اس نے محبت، حسن اور آزادی کا پرچم بلند کیا ہے اور اس کے لئے فطرت کا سہارا لیا ہے۔

(Lyrical Ballads) کا دیباچہ 1817ء میں شائع ہونے والی کالرج کی تصنیف (Biographia Literaria) سے ہم پیوستہ ہو کر برطانوی رومانیت کا منشور قرار پایا۔

کالرج (1772ء سے 1834ء)

کالرج بھی ورڈزورتھ کی فطرت پرستی کا بڑا دلدادہ تھا۔ اس کے ابتدائی کلام میں مناظر فطرت کے ساتھ دلچسپی کا اظہار ملتا ہے۔ اس کے نزدیک فطرت اپنی ہیئتوں اور کیفیتوں میں اب تک وہیں ہے جہاں وہ ابتدائے آفرینش میں تھی۔ یہ ہم ہیں جو اس کے اندر نت نئے رنگ بھرتے ہیں اور اسے نئی نئی صورتیں دیتے ہیں۔ وہ اپنے مخصوص رنگ میں فطرت کو دیکھتا ہے۔ اس نے اپنی غیر معمولی فکر و تخیل سے کام لے کر مافوق الفطرت کے نئے رخ دریافت کئے۔ اور اس سے اپنی شاعری میں نئی روح پیدا کی۔ بقول ڈاکٹر محمد حسن:

> "کالرج تخیل کو زندہ طاقت تصور کرتا ہے اور اسے انسانی دانش کا محرک قرار دیتا ہے۔"2

1۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "ارسطو سے ایلیٹ تک" نیشنل بک فاؤنڈیشن کراچی۔ 1976ء صفحہ نمبر 317

2۔ "اردو ادب میں رومانی تحریک" بشیر اینڈ سنز لاہور (س ن) صفحہ 74

کالرج مافوق الفطرت عناصر، حسن اور تخیل سے متعلق ایک مربوط فکر کا حامل فنکار ہے جس نے رومانیت کے باب میں صحت مند رجحانات کو فروغ دیا۔ اس کے نزدیک :

"The "beautiful" is at once distingushed both from the "Agreeables", which is beneath it, and from the "good", which is above it: for both these have an interest necessarily attached to them: both act on the will and, excite a desire, for the actual existence of the image or idea contemplated: while the sense of beauty rests gratified in the more contemplation or intuition."

جرمن رومانیت کے زیر اثر اور ورڈزورتھ کی صحبت کی بدولت اس کے اندر یہ میلان بھی پیدا ہوا کہ وہ انفرادیت کے حقوق قائم رکھتے ہوئے سماجی شعور اور عام انسانیت کی دھن اپنی شاعری میں سموئے، لیکن یہ میلان گوناگوں اسباب کی بناء پر بہت جلد دب کر رہ گیا۔ اور کالرج مافوق الفطرت کے دھندلکوں میں محو ہو گیا۔

اس کے علاوہ برطانوی رومانیوں میں جن معتبر ناموں کو شامل کیا جا سکتا ہے، ان میں "بائرن، شیلے، کیٹس، کارلائل اور والٹر سکاٹ" خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

بائرن (1788ء سے 1824)

انگریزی رومانی شاعروں میں جو مقبولیت بائرن کو نصیب ہوئی وہ کسی دوسرے شاعر کو نہ حاصل ہو سکی۔ یورپین، رومانیت پر اس کے گہرے اثرات پڑے اور اس نے ایک حد تک بین الاقوامی رومانیت کی نمائندگی بھی کی۔ اس کے کلام میں ورڈزورتھ کے برعکس داخلیت پسندی کا رویہ پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے فن میں خاص انفرادیت پیدا ہو گئی تھی۔

بائرن کی شاعری اس کی غنایت' حسن پرستی فطرت نگاری اور رومانی اداسی کے باعث معاصرین سے ممتاز ہے۔ان خصوصیات کے ساتھ ہی اس کے یہاں حریت فکر کا بھی شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ جس سے وہ ورڈز ورتھ (مخالفت کے باوجود) کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ وہ آخری دم تک آزادی کا علمبردار رہا۔ اٹلی اور یونان کی سرزمین سے اسے جو والہانہ لگاؤ تھا وہ محتاج بیان نہیں۔ اس کا انتقال بھی یونان کی جنگ آزادی کے سلسلے میں ہی ہوا۔ بائرن کی شاعری کے متعلق ایک اور بات قابل غور ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اس پر الم پسندی' تصوف اور فراریت کا الزام نہیں لگایا جا سکتا۔ وہ ہمیشہ "زمانہ موجود" (حال) کا شاعر رہا۔ وہ رومانی تحریک کے حریت پسند علمبرداروں میں سے تھا اور اس کی شاعری اسی تحریک کی زندہ علامت ہے۔

شیلے (1742ء سے 1822)

برطانوی رومانیوں میں شیلے کا مرتبہ کسی طرح بھی دوسرے ہم عصر شعراء سے کم نہیں ہے۔ وہ نہ صرف اپنے دور کی سیاسی اور معاشرتی روایات اور میلانات کا گہرا شعور رکھتا ہے بلکہ اس کے اندر جبر و تشدد کے خلاف جذبہ بغاوت بھی پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری میں جمالیاتی کیفیتوں کے پردے میں عصری زندگی کے نقوش و علامات بھی واضح طور پر ملتے ہیں۔

شیلے کو تصوریت پسند رومانی شاعر کہنا شاید زیادہ مناسب ہو گا۔ وہ حال سے بیزار ہو کر اس حسین مستقبل کا خواب دیکھتا ہے جہاں افلاطون کے جمہوریہ اور طائس مور کے یوٹوپیا کی سرحدیں ملتی ہیں۔ چونکہ شیلے فطرتاً" اپنے پیشروؤں سے زیادہ حساس واقع ہوا تھا۔ اس لئے اس کے کلام میں واقعی اور امکانی کی درمیانی خلیج کے احساس نے ایک مستقل محزونیت پیدا کر دی تھی۔ تجربات اور تاریخ کے مطالعے سے اسے یہ احساس ہوا کہ انسان کے اندر خود بھی شر کے جراثیم موجود ہوتے ہیں اور اس کا علاج محبت ہے۔ شیلے کی شاعری کے سلسلے میں یہ بات قابل غور ہے کہ اپنی تمام غم پسندی کے باوجود وہ یاس پرست نہیں ہے۔ وہ ذاتی طور پر محزون ہونے کے باوجود عام انسانیت کے لئے رجائیت کا پیغام دیتا ہے۔ اس نے انسان کی کامل آزادی کا خواب دیکھا اور اپنی شاعری میں اسی جذبے کی ترجمانی کی۔

شیلے کے کلام میں فکر و فلسفے کے علاوہ شاعرانہ حسن بھی بدرجہ اتم ملتا ہے' اس کے نغمات میں دلکشی اور دل پذیری پائی جاتی ہے۔ جذبات کی شدت اور احساس کی صداقت اس کی شاعری میں اپنی تمام رمزیت کے باوجود فطری معلوم ہوتی ہے۔ اس کی شاعری انسان کی محرومیوں کے نغموں سے ہی عبارت نہیں بلکہ روشن مستقبل کی بشارت بھی

دیتی ہے۔ انسانیت کو معاشرتی اور اخلاقی نظام کے جبر و تشدد سے نجات دلانا اور سچی آزادی اور محبت سے آشنا کرنا' شیلے کی شاعری کا حقیقی اور دائمی مقصد ہے۔

شیلے کی معصوم رومانیت فکری رجائیت اور شاعرانہ حسن کاری اسے ہم عصر شاعروں سے زندہ جاوید رکھنے کے لئے بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔

کیٹس (1795ء تا 1821)

کیٹس رومانی شعراء میں اپنے ذوق جمال اور صلاحیت شعری کے اعتبار سے ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ اس نے جبلی قوتوں کے زور سے حسن اور حقیقت دونوں کا عرفان حاصل کیا اور یونانی اساطیر اور قدیم فنون میں استعداد کے ذریعے اپنی شاعری میں رنگ بھرتا رہا۔

> "کیٹس نے اپنے داخل کو حواس خمسہ سے دریافت کرنے کی کوشش کی اور ان سب حسیات کے امتزاج سے ایک ایسی فضا کو جنم دیا جس میں ارضی رعنائیاں مختلف رنگوں میں پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ چنانچہ کیٹس مافوق الفطرت کو ماورائی استعاروں میں بیان کرنے کی بجائے ارضی زبان میں پیش کرتا ہے۔"[1]

کیٹس بنیادی طور پر احساسی (Sensuous) ذہن و شعور کا مالک تھا۔ اس کی شاعری مجرد تصورات سے بڑی حد تک خالی نظر آتی ہے۔ وہ کسی نظریہ کو بغیر اس کی خصوصیات اور پیکر نگاری کے پیش نہیں کرتا۔ اس بنا پر اس کے فن میں فکر و تامل کی بجائے مشاہدہ و مطالعہ کا زیادہ دخل ہے۔ اس کی شاعری میں جذبہ و احساس کی شدت بھی ہے اور فراوانی بھی۔ مگر اس کی احساسیت شیلے کی ماورائیت سے ایک قدم آگے ہے' اس نے زمین اور اس کی مادی حقیقتوں اور جسمانی کیفیتوں سے کبھی تجاہل نہیں برتا۔ اس کے ہاں ہر قسم کے احساسات' رنگ' صورت اور آہنگ کے روپ میں نمایاں ہیں۔ "ارضیت" کی بنا پر وہ ذہنی طور پر اپنے ہم عصروں سے بالکل الگ اور منفرد نظر آتا ہے۔ وہ حسن کو اپنا مذہب تصور کرتا ہے۔ اور اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ عام انسان کی طرح سچے شاعر کو دھرتی اور اس کی خوبصورتی کا راگ الاپنا چاہیے۔

1- Peter Westland: "The Romantic Revival." London 1950 P. 127

کیٹس کی شاعری میں گہری رمزیت' اور انسانی ہمدردی کا شدید جذبہ پایا جاتا ہے۔ وہ رومانی تحریک کے آخری شاعر کے طور پر برطانوی ادب میں بہت نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

مسز ریڈکلف (1764ء سے 1822ء)
(Ann Redcliff)

مسز ریڈکلف کے ناولوں میں عمومی طور پر جو موضوع ملتا ہے وہ وحشت ناکی اور خوف و ہراس سے متعلق ہے۔ یہ وحشت ناکی اس کے ہاں آخر کار ہیروئن اور ہیرو کے ملاپ پر اختتام پذیر ہوتی ہے اور یوں اس میں رومانیت بھرپور طریقے سے اظہار پاتی ہے۔ تاہم یہ رومانیت مجموعی طور پر خارجی سطح تک محدود رہتی ہے اور اس تخلیقی مقام تک نہیں پہنچ پاتی جسے رومانیت کی اعلیٰ ترین سطح کہا جا سکے۔

بیک فورڈ (1759ء سے 1844ء)
(William Beck Ford)

بیک فورڈ کے مختصر ناول (Vather) میں رومانیت کی زیادہ حقیقی اور سچی تصویر ملتی ہے۔ وہ ابتدائی طور پر والٹیئر سے بھی متاثر نظر آتا ہے۔ اس کے ہاں شوخی' افسردگی' طنز اور تصوریت کا تجسس آمیز رجحان اپنی انتہائی فنکارانہ صورت میں دکھائی دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بیک فورڈ اور مسز ریڈ کلف کی تصانیف کی بدولت مغربی ادب نہ صرف رومانیت سے قریب تر ہوا بلکہ درحقیقت رومانیت کو انہی کی بدولت ایک مکمل صورت ملی۔

ایملی برونٹے (1818ء سے 1848ء)
(Emily Bronte)

ایملی برونٹے کے ناول (Wuthering Heights) میں رومانیت کے بہت سارے پہلو یکجا ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ شاید یہ ناول وہ واحد کتاب ہے جس میں مصیبت زدگی' ہنگامہ خیزی اور باغیانہ عناصر رومانیت کی تکمیل کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے ہاں محبت کا المیہ ایک بے حد جاندار اور متحرک صورت میں رواں دواں ملتا ہے۔ یوں اس کے انداز میں تیکھاپن اور بڑی حد تک بغاوت شامل ہے۔

شارلٹ برونٹے (1816ء سے 1855ء)
(Charlotte Bronte)

شارلٹ برونٹے کے ہاں رومانیت کے بیشتر عناصر اپنی نفیس ترین صورت میں ملتے ہیں۔ اس کی وجہ وہ پس منظر تھا جس میں مذہبی تربیت' اخلاقی تنظیم اور بہت سارے حقائق مل کر ایک ایسا ماحول بناتے ہیں جو رومانی جذبوں کی بنیاد ہے۔ اس کے ناول (Jane Eyre) میں جذبوں کی غنائیت اور گہرائی' دو ایسے عناصر ہیں جو اسے اپنے عہد کے دوسرے ناول نگاروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں عمیق مشاہدہ اور اس کا تجریدی اظہار بھی اس کے طرز تحریر کے اہم عناصر میں شمار ہوتے ہیں۔

مجموعی طور پر اس عہد کی ناول نگاری میں ذاتی زندگی کی تفسیر بھی ملتی ہے اور انسان دوست رجحانات کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ جذبہ و احساس کی فراوانی' خیالات کی بلندی بھی اس دور کے ناول میں خاص طور پر پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ' فرد کی انفرادیت' وحشیانہ جذباتیت' فطرت پرستی' ماورائیت و تصوریت ایسے عناصر ہیں جو ان ناول میں رومانیت کے حقیقی خدوخال کو واضح کرتے ہیں۔

والٹر اسکاٹ (1771ء سے 1832ء)

انگریزی رومانی ادیبوں میں بائرن کے بعد اگر کسی کو سارے ادب میں قبول کیا گیا تو وہ اسکاٹ ہی ہے۔ اسکاٹ نے خالص فطری انداز میں لکھنا شروع کیا اور اپنے ناولوں میں اسکاٹ لینڈ کی تاریخ کو تخیلی طور پر پیش کرتا رہا یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے تاریخ نگاری کی نئی سمتیں متعین کیں۔ اس نے اپنے ناول میں اسکاٹ لینڈ کے ماضی کو افسانوی حقیقت بنا کر پیش کیا۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت ترتیب ماجرا کی سادگی ہے۔ وہ ہمیں ماضی میں لے جاتا ہے اور قوت تخیل سے ایسے کرداروں کو پیش کرتا ہے جو ہمارے سامنے جیتے جاگتے معلوم ہوتے ہیں۔ اس کے ناول روایتی انداز میں زندگی کے بہترین ترجمان ہیں۔ ان میں مصنف کی فطری صلاحیتوں کے علاوہ رومانی تحریک کا بھی بڑا حصہ ہے۔

اسکاٹ کے ناولوں کی ایک اور اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان میں کسانوں' دکانداروں' نوکروں' خادماؤں اور ایسے کرداروں کی کثرت ہے جو عوامی معاشرت کے ترجمان ہیں۔ اسکاٹ خود بھی ایسی ہی زندگی کا نمائندہ تھا۔ اسی لئے اس کے ناولوں کو بہت شہرت ملی۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کے ناول رومانی تحریک کی اس خاصیت کے آئینہ

دار ہیں جو احیائے ماضی سے متعلق ہے اور جن میں زندگی کی تفسیر سے زیادہ تمثیل پائی جاتی ہے۔ ان ناولوں میں ڈرامائی عناصر کے ساتھ رومانیت کے چند رجحانات بھی پائے جاتے ہیں۔

"رومانی تحریک کا ایک اور پہلو والٹر اسکاٹ نے پیش کیا۔"1

"رومانی تاریخ میں ورڈزورتھ فطرت کی مراجعت کا' کالرج فطرت کے اسرار و تحیر کا اور والٹر اسکاٹ تجدید ماضی کا زاویہ ہے' بائرن اس بغاوت کا علمبردار ہے جو قدامت کے بطن سے ابھرتی ہے اور جس میں جدیدیت احتجاج کی صدا بن جاتی ہے۔"

اسکاٹ نے رومانیت کو عام لوگوں سے بہت قریب رکھا اور اس نے رومانیت کو زندگی کے قریب کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

تاریخی ناولوں کے بعد افسانوی ادب میں (Gothic) ناول وہ صنف ہے جسے رومانیوں نے اپنے اظہار کا سب سے بڑا ذریعہ بنایا اس انداز کے ناول نگاروں اور ان کی تصانیف کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

1- "The Mysteries of Udolpho" by Ann Red Cliff (1794)
2- "Vethek by William Backford (1785)
3- The Monk by Mathew Lewis (1795)
4- Wuthering Heighls by Emily Bronte (1849)

1- G.H.Mair, "English Literature" Oxford (1944) P.127

جرمن

جرمنی وہ ملک ہے' جسے رومانیت کے فلسفے کا گھر کہا جاتا ہے۔ جہاں شعوری طور پر جمالیاتی اور شعریاتی سطح پر 1798ء میں رومانیت کا ارتقاء ہوا۔ نشاۃ الثانیہ کے بارے میں (H.W.Wackenroder) نے 1797ء میں اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے نو کلاسیکیت کے تجزیئے کی بجائے جذباتی ردعمل سے مدد لی۔ (A.W.von.Schelegel) اور اس کے بھائی فریڈرک شلیگل نے ادبی جریدے (Athenaeum) میں اپنے تنقیدی مضامین شائع کئے' جن میں اساطیر' علامتوں اور متخیلہ کے بارے میں نئے تصورات پیش کئے گئے تھے۔ فریڈرک وان شلیگل جرمن رومانیت کے نظریئے کا بنیادی مفکر ہے۔ اس کے نزدیک فنکار اور ادیب وجود پذیر ہونے کی جدلیات کا اظہار کرتے ہیں اور یوں آئیڈیل اور موجودہ حقیقی زندگی کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں۔ وہ مادی حقیقتوں سے رومانی حقیقتوں کو اخذ کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اعلیٰ ادب اصناف سے متعلقہ نام نہاد اصول و ضوابط کے تابع نہیں ہوتا۔

مغربی رومانی تحریک میں ایک اور جرمن مصنف "ہرڈر" کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ ہرڈر کے نزدیک شاعری انسانیت کی زبان ہے' اس نے اپنے معاصرین' شاعروں کو قومی مزاج کے مطابق شاعری کرنے کا مشورہ دیا۔ اور یوں رومانیت کو اپنے عہد میں پروان چڑھانے میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ اسی طرح جیمز میکفرسن نے قدیم جنگجو بہادروں کے نغموں کو انگریزی زبان میں ڈھال کر رومانیت کی فضا کو مزید روشن کر دیا۔ اس کی نظموں نے جرمن کی نوجوان نسل کو بے حد متاثر کیا' ان میں جرمن کا مشہور شاعر گوئٹے بھی تھا۔ جس کی متعدد تصنیفات رومانیت کے حیوانی زاویئے کی نمائندگی کرتی ہیں۔ جرمنی میں رومانیت کا آخری نمائندہ شلر تھا جس کے ڈامہ (The Robert) کو رومانیت کا نقطہ عروج تصور کیا جاتا ہے۔

جرمن رومانیت نے فرد کا رشتہ مابعد الطبیعات سے استوار کیا اور کانت' فشٹے' شیلنگ اور ہیگل نے ذہن انسانی کو نئے جہانوں اور ان کی وسعتوں سے روشناس کرایا۔ ان سب میں سے شیلنگ کی اہمیت یہ ہے کہ اس کے نظریات میں فطرت کا حسن ایک منفرد حیثیت سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ یوں جرمن رومانیت میں خوبصورتی اور حسن بنیادی عناصر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اس خوبصورتی کی دریافت مختلف حوالوں سے رومانیت کا سرچشمہ قرار پاتی ہے۔ فطرت اور مظاہر قدرت' اخلاقیات اور محبت کے جذبے اسی خوبصورتی اور حسن کی مختلف صورتیں ہیں۔

فریڈرک شلیگل کے مطابق:

"That is beautiful that Reminds us of nature, and so stimulates the awareness of the infinite fullness of life. Nature is organic, and the highest beauty is therefore, enternally vegetative, and the same holds true of morality and love."1

1- European Romanticism by Lillian-R. Furst Newyork 1980 P.92

فرانس

اٹھارویں صدی کے فرانسیسی مصنف روسو کے ہاں رومانیت کے عناصر اس قدر واضح تھے کہ اسے فرانس میں رومانیت کا مطلع اول قرار دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں امریکی نقاد اورنگ بابٹ نے روسو کو رومانیت کا ابتدائی نمائندہ قرار دیا۔ روسو نے انسان کو اس کی کھوئی ہوئی دولت جذبات واپس دلانے کی کوشش کی۔ اور اس کوشش میں اسے عقلیت و مادیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کا زبردست مقابلہ کرنا پڑا۔ اس کے نزدیک :

> ''عقل آخری معیار نہیں ہے' کچھ نظری نتائج ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے خلاف ہماری ''کل فطرت'' بغاوت کرتی ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم ایسا قیاس کر لیں کہ فطرت کے ان تقاضوں کا منطق کے احکام پر گلا ہی گھونٹ دیں۔''1

روسو کے خیال کے مطابق عقل اور جذبات دونوں لازم و ملزوم ہیں لیکن عقل کے کردار کی بالادستی اور جذبات پر اس کا استحصالی قبضہ انسان کو غلام بنا دینے کے مترادف ہے۔ وہ ادراک اور جذبات میں کوئی تضاد نہیں سمجھتا اس نے واضح طور پر کہا ہے کہ :

> ''انسانی ادراک بڑی حد تک جذبات کا منت کش ہے اور اسی طرح جذبات عقل کے محتاج ہیں۔ دونوں ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ جذبات پر اگر کوئی معقول پابندی ہو سکتی ہے تو دوسرے اعلیٰ تر جذبات ہی کی ہو سکتی ہے۔''2

روسو بنیادی طور پر انسان کی فطری آزادی کا قائل ہے۔ جو وہ تخیل کو خارج کی قید سے رہا کروانے کا خواہشمند دکھائی دیتا ہے۔ اس کے نزدیک تخیل کی قوت عقل پر ہر لحاظ سے بالاتر ہوتی ہے۔3

روسو کے ان تمام خیالات کے باوجود اس کے نظریات عمرانیات اور سیاسیات سے آگے نہ بڑھ سکے اور اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ فرانس میں رومانی تحریک اپنی مکمل اور اعلیٰ ترین صورت میں بہت بعد میں سامنے آئی۔ اس بات کا اندازہ یوں ہوتا ہے کہ 1822ء تک شیکسپیئر کی کلاسیکیت کے مروجہ انداز چھوڑنے پر مطعون کیا جاتا رہا۔ مجموعی طور پر فرانس میں آرٹ اور ادب سے متعلق وہی نظریات و خیالات رائج رہے جو شیکسپیئر کے زیر اثر پروان چڑھے تھے۔

۱۔ نصیر احمد ناصر ''تاریخ جمالیات'' مجلس ترقی اردو ادب لاہور 1962۔ صفحہ نمبر 426

۲۔ ڈاکٹر محمد حسن۔ اردو ادب میں رومانی تحریک۔ بشیر سنز۔ لاہور۔ صفحہ نمبر 12

۳۔ Willdurant: "The Story of Philosophy" Oxford 1960 P.206

وکٹر ہیوگو (1802ء تا 1885ء)

(Victor Hugo)

وہ مصنف تھے۔ جنہیں فرانس میں رومانی تحریک کا سربراہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ 1830ء میں سامنے آنے والا اس کا ڈرامہ (Hernani) اس سلسلے کی پہلی کڑی تھی۔ اس ڈرامے میں اس نے کلاسیکی ڈرامے کی تمام روایات سے روگردانی کی۔ جب یہ ڈرامہ سٹیج کی زینت بنا تو پہلی رات ہی اس نے ہنگامہ برپا کر دیا اور وہاں پر موجود ڈرامہ سے متعلق لوگوں نے اس پر شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس ڈرامے کی وجہ سے تھیٹر سے متعلق دو گروہ کلاسیکل اور رومانوی عملی طور پر سامنے آگئے۔ اور یہ اختلاف ایک سو راتوں تک جاری رہا کیونکہ ڈرامہ اتنے عرصہ کے لئے ہی سٹیج کیا گیا تھا۔ وکٹر ہیوگو (Hugo) شاعر، ڈرامہ نگار اور ناول نگار کے طور پر نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی مشہور تصانیف میں (Notre-Dme-De-Paris 1831)، (Les-Miserables 1862) اور (Cromwell 1827) شامل ہیں۔ اس کے ڈرامہ (Cromwell) کا دیباچہ رومانی تحریک کی بنیادی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ رومانیت سے متعلق اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے وہ کہتا ہے

> "In the epoch called Romantic,"
> everything attests to its intimate and
> creative union with the beautiful. Every
> thing, down to the most naive popular
> legends, illuminates with unerring instinct
> thus mystery of modern art."1

وکٹر ہیوگو (Hugo) کو فرانسیسی رومانیت کی تحریک میں مرکزی حیثیت کا حامل قرار دیا جاتا ہے۔

1۔ Preface to "Cromwell" Page.68-75 Ref: European Romanticism (New York 1980) Page.107

بعد ازاں جو مصنف عملی طور پر اس تحریک کا حصہ بنے ان میں ناول نگار (George Sand)اور Alexandre-Dumas شامل ہیں۔ اس کے علاوہ Alfered-D-Vingny ایک اور مصنف ہیں جو ناول نگار، شاعراور ڈرامہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کاایک ناول (Cinq-Mars)1826ء میں شائع ہوا۔ جبکہ 1835ء میں ان کاڈرامہ (Chatterton)اور شیکسپیئر کی شاعری کے تراجم ان کی اہم ترین تصانیف میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان کانام رومانی تحریک کے لیڈر کے طور پر وکٹر ہیوگو (Hugo) کے ساتھ لیا جاتا ہے۔

فرانسیسی ادب پر رفتہ رفتہ رومانی تحریک کے اثرات وسیع تر ہو گئے اور 1857ء میں (Flowres of Evil) کی صورت میں بودلیئر (Baudlaire) فرانسیسی رومانیت کے مکمل ترین مظہر کی صورت میں سامنے آئے۔ اس کے ساتھ ساتھ کچھ ایسے مصنف اور ناول نگار بھی وہاں موجود تھے جن کی تحریروں میں امریکی مصنف ایڈگر ایلن پو کے ہاں پائی جانے والی رومانیت کے آثار بھی نظر آتے ہیں۔ مگر مجموعی طور پر فرانسیسی رومانیت برطانوی ادب اور جرمنی کے رومانی فلسفے کے زیر اثر ہی پروان چڑھی۔

مغرب کی رومانی تحریک نے ادراک کی نامعلوم سطح سے دوسری نامعلوم سطح کو دریافت کرنے کا راستہ دکھا کر ادب میں نئے تخلیقی سفر کا آغاز کیا۔ رومانی شعراء نے ہیئت اور زبان کا پرانا ڈھانچہ بدلا، لفظ کی جامد صورت کو تصور کی آفاقی فکر سے ہم آہنگ کیا اور فکر و خیال کی نئی دنیا تلاش کی، اس تحریک میں شاعری اور ناول ہی وہ اصناف نہیں تھیں جو رومانی لہر کے زیر اثر آئیں بلکہ اس لہر کے اثرات دوسری اصناف سخن میں بھی ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ ادبی تنقید اور انشاء پردازی میں بھی یہی انداز کار فرما رہا۔ ان تمام اصناف کے مطالعے سے اگر ہم کوئی نتیجہ اخذ کرنا چاہیں تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ رومانیت اپنی روح میں لبرل ازم (Liberalism) کی ہی ایک شکل قرار پائے گی۔ اور یہ مثبت کردار کی حامل ٹھہرے گی۔ بقول وکٹر ہیوگو (Hugo):

"Romanticism, so often ill defined, is in the final analysis, and here is real

definition, if, one considers only,

nothing other tham." (Liberalism)1

مغرب کی اس رومانی تحریک نے نہ صرف مغربی ادب پر تادیر اپنے اثرات قائم رکھے بلکہ دوسری زبانوں کے ادب پر بھی بالواسطہ طور پر اپنے اثرات مرتب کئے۔ اردو ادب میں رومانی رجحانات کا سلسلہ بھی اسی تحریک سے کسی نہ کسی طور جاملتا ہے۔

1- Preface "Hernani" Ref: European Romanticism by Lillian-R Furst, New York (1980) P.45

باب دوم

اردو نثر میں رومانیت کی روایت

اردو ادب میں رومانی تحریک کی روایت ایک مخصوص زاویۂ نظر کے طور ہر دور میں موجود رہی۔ اگر ہم اس کے پس منظر کا جائزہ لیں تو ہم بڑی آسانی سے اس حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں' کہ رومانیت ایک انداز نظر اور طرز احساس کی صورت میں ہماری قدیم داستانوں اور منظوم قصوں میں اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر رہی ہے۔ قصہ گوئی کے دور سے لے کر داستانوں کی باضابطہ تخلیقات تک رومانیت کے تمام تر عناصر اپنی جملہ خصوصیات کے ساتھ ہمارے ادب کا حصہ رہے ہیں۔ ڈاکٹر گیان چند قدیم لوک کتھاؤں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

> "ان پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اکثر انسانی زندگی کے واقعات مثلاً انسانی خواہشوں اور خیر و عصیاں وغیرہ سے بحث کرتی ہیں۔ ان میں کچھ واقعات تو فطری ہوتے ہیں لیکن زیادہ تر تخیل کی رنگ آمیزی ہوتی ہے۔ وہ جذباتی شدت خواہش پرستی اور خیالی پلاؤ کا ملغوبہ ہوتی ہیں۔"1

ہمارے قدیم قصے 'فیبل' متھ 'لیجنڈ' اور رومانس کی صورت میں ملتے ہیں جن میں دیومالا کے پر اسرار عقائد' مظاہر قدرت کی تفصیل و تشریح' مذہبی اور معاشرتی رسوم کی توجیہہ اور کسی قوم یا گروہ کی نیم تاریخی روایات کا بیان ملتا ہے۔ جبکہ رومانس میں خالصتاً" محاربات' حسن و عشق' ایمان و مذہب کے واقعات بیان کئے جاتے ہیں اور یہی رومانس آگے چل کے داستان کے مترادف ٹھہرتے ہیں۔ ان باتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری داستانوں میں مافوق الفطرت عناصر اور عشق و محبت کا بیان' رومانیت کی بنیادی خصوصیت بن کر ابھرتے ہیں' اسی طرح ادب میں رومانی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ داستانوں میں رومانی عناصر سے متعلق ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں:

> "اردو کے مزاج کو جانوروں کی حکایات سے کہیں زیادہ مرغوب فوق فطرت رومانی داستانیں ہیں' یورپ کی زبان میں بھی اسی انداز کے نثری رومان ملتے ہیں۔ ہماری داستانوں میں جو مبالغہ' مثالیت پسندی اور فوق فطرت کا رنگ و روغن ہے' مغرب کو اس پر ہرگز عار نہیں۔"2

1۔ ڈاکٹر گیان چند "اردو کی نثری داستانیں" اتر پردیش اکیڈمی لکھنؤ 1987ء۔ صفحہ نمبر 19

2۔ ایضاً" صفحہ نمبر 36

اس بات سے مغربی رومانس اور اردو داستانوں میں رومانوی یگانگت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کیونکہ مغربی رومانس بھی مرکزی پلاٹ کے فقدان، فوق فطری رنگ، عشق کے غلبے، المیہ اور مزاحیہ واقعات کے تال میل سے ہی عبارت ہوتے ہیں جبکہ ہماری داستانیں بھی انہیں عناصر کے آمیزے سے تشکیل پاتی ہیں۔

داستانوں میں رومان ایک واضح اور معین صورت میں ہوتا ہے جو تخیل پیداوار ہوتی ہیں اور ان تخیلات کا خارجی وصف یہ ہے کہ وہ ایسی بنیاد پیش کرتے ہیں جو عمومی طور پر حقائق سے کوئی علاقہ نہیں رکھتیں۔ ان میں ایک ایسی کائنات کی تخلیق ہوتی ہے جس میں پریاں دیو اور عجیب الخلقت ہستیاں، اشخاص خارجی مظاہر کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ لیکن اس امر سے بھی انکار ممکن نہیں کہ ان داستانوں میں بہر طور ایک سماجی حوالہ بھی موجود ہوتا ہے اور یوں وہ زندگی کی کسی نہ کسی حقیقت سے بھی وابستہ ہوتی ہیں۔ دنیائے افسانہ میں عبدالقادر سروری لکھتے ہیں کہ :

> ''اس میں کوئی شک نہیں کہ داستانوں میں رومانیت ہوتی ہے۔ مگر حقائق سے ملی جلی ضرور ہوتی ہے۔''1

فن داستان گوئی میں کلیم الدین احمد لکھتے ہیں :

> ''ہم تخیل کی اس موہوم پیداوار کا عارضی طور پر اعتبار کر لیں تو ہمارے لئے ایک دلچسپ دنیا کا دروازہ کھل جائے اور اس دنیا کی سیر توضیح اوقات نہ ہوگی۔ بلکہ ہمارے دماغ اور ہماری روح کو تازگی بخشے گی۔''2

داستانوں میں حسن و محبت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور یہ رومانیت کا ایک اہم عنصر ہے۔ محبت کا یہ جذبہ اکثر خیالی ہوتا ہے مگر ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں :

> ''رومانی داستان میں ایک خیالی دنیا، خیالی واقعات کا بیان ہوتا ہے اس پر تخیلیت کا رنگین قرمزی بادل چھایا رہتا ہے اس میں کوئی فوق فطری مخلوق نہ بھی ہو تب بھی اس میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ حقیقت سے زیادہ تخیلی

۱۔ عبدالقادر سروری ''دنیائے افسانہ'' اردو اکیڈمی سندھ کراچی 1972ء صفحہ نمبر 26

۲۔ کلیم الدین احمد ''فن داستان گوئی'' مکتبہ ادب لاہور۔ 1966ء صفحہ نمبر 93

ہوتے ہیں، فوق الفطرت کی تحیر خیزی حسن و عشق کی رنگینی، مہمات کی پیچیدگی، لطف بیان انہیں عناصر سے داستان عبارت ہے۔"1

داستان کے جن بنیادی عناصر کا ذکر کیا گیا ہے وہ تمام رومانیت کی بنیادی خصوصیات کے زمرے میں آتے ہیں۔ لہٰذا اگر ہم اپنی داستانوں کا بغور مطالعہ کریں تو اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان میں "رومانی عناصر" بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں اسی سلسلے میں سید وقار عظیم لکھتے ہیں :

"ہماری داستانوں نے کہانی میں دلچسپی و دلفریبی کی، تخیل و تصور کی کشمکش اور جدوجہد کی اور پھر شادمانی و مسرت کی، سکون و راحت کی، باطل پر حق کی فتح کی، انسان اور فطرت کے تصادم اور ہم آہنگی کی، سادہ، روح اور سحر و افسوں کی نیرنگئ عمل کی فضا بنائی اور اس طرح ایک ایسی دنیا بسائی جو کبھی کبھی حقیقت کی دنیا سے بھی زیادہ سچی اور قابل یقین نظر آتی ہے۔"2

داستانوں میں رومان یا رومانس بہت اہمیت کا حامل ہے۔ رومان کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ابتداء عموماً" عشق و محبت کے واقعات سے ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے سے حادثات و مہمات اس کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔ کیونکہ اس میں کوئی منضبط پلاٹ نہیں ہوتا، اس لئے قصہ در قصہ واقعات آگے بڑھتے جاتے ہیں اور نئی دنیا کا سفر جاری و ساری رہتا ہے۔ اگرچہ رومان میں المیہ اور طربیہ واقعات در آتے ہیں لیکن یہ عناصر ایک دوسرے میں بری طرح گڈمڈ ہوتے ہیں لیکن مجموعی طور پر رومانی قصہ حیرت، طلسم، منظر نگاری اور حسن تخیل کی مدد سے اپنا گہرا تاثر قائم رکھتا ہے۔ مرکزی کردار کے ماتحت چھوٹے چھوٹے قصے گردش کرتے رہتے ہیں لیکن ان سب کا محور، عشق، مذہب جور جنگ و جدل ہی رہتا ہے اور یہی رومان کے بنیادی عناصر ہیں جو اسے سحر انگیز، دلچسپ اور حیران کن بناتے ہیں۔

پروفیسر وقار عظیم رومان کے بارے میں لکھتے ہیں :

۱۔ ڈاکٹر گیان چند "اردو کی نثری داستانیں" اتر پردیش اردو اکیڈیمی سندھ 1987ء صفحہ نمبر 49

۲۔ سید وقار عظیم "داستان سے افسانے تک" اردو اکیڈمی سندھ کراچی۔ 1960ء صفحہ نمبر 7

"رومان ایک منظوم کہانی یا نثری قصہ ہے جس میں لکھنے والا شاعرانہ تخیل و تصور کو اپنا راہبر بناتا ہے اور یہ ایک کہانی ہے جس کا ماخذ تاریخی، نیم تاریخی یا روایتی واقعات ہوتے ہیں جس میں جرات، مردانگی اور دلیری کے حیرت انگیز قصے ہوتے ہیں اور اس کی بنیاد سرتا سر غیر فطری واقعات و عناصر پر ہوتی ہے اور کبھی غیر معمولی کارناموں پر جو ہماری مشاہرات کی حد میں نہ آتے ہوں۔ ایسی کہانی میں اتفاقات و حوادث قسمتوں کو بگاڑنے میں اتنا حصہ لیتے ہیں کہ انسان زندگی کی منطق کو بے معنی اور بے حقیقت سمجھنے لگتا ہے۔ رومان دراصل انسان کی جذباتی شدت اور اس کے شدید ردعمل کی کہانی ہے جہاں تخیل کے پیدا کئے ہوئے حالات تخیل کی آغوش میں پرورش پاتے ہیں اور مخصوص کرداروں کے مزاج و فطرت میں انقلاب کا پیش خیمہ بنتے ہیں۔"1

اردو داستان میں رومان کے یہ تمام عناصر پائے جاتے ہیں۔ جن میں معمول کی بجائے غیر معمولی واقعات پر اسرار انداز میں تخیل کی قوت سے بیان کئے جاتے ہیں۔ ان میں زندگی کی ایسی تصویر کشی کی جاتی ہے جن کا تعلق حال سے کم اور ماضی بعید سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس کا تانا بانا ایسی خیالی باتوں سے تیار کیا جاتا ہے جو عام طور پر سننے والے کے ذہن و ہوش کی رسائی سے بالاتر ہوتا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ معمول کی زندگی کا بیان داستان کی فضا، پیدا نہیں کر سکتا۔ اس لئے لازمی طور پر ان دیکھی، خیالی دنیا کا نقشہ بیان کر کے داستان کو دلچسپ اور رنگین بنایا جاتا ہے اسی طرح داستان میں زمان و مکان کی دوری بھی اس کے حسن میں اضافہ کرتی ہے اور سننے والے کے لئے حیرت اور تجسس کا باعث بنتی ہے۔ اور دلکشی و تاثیر کے آثار پیدا کرتی ہے۔ یہ ساری فضا رومانیت کے جذبے سے سرشار اور مزین ہوتی ہے۔ پروفیسر کلیم الدین احمد اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب ہم داستانوں کو پڑھتے ہیں تو خود کو کسی دوسری فضا میں پاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کسی سرحد سے گزر کر

1۔ سید وقار عظیم "فن داستان اور داستانیں" قومی زبان کراچی بابت یکم جولائی 1954ء صفحہ نمبر 103

ہم ایک ایسے مقام پر جا پہنچتے ہیں جو اجنبی سا ہے جس سے ہم پہلے آشنا نہیں تھے' جہاں ہر طرف ہر شئے نئی ہے' حیرت انگیز اور پر اسرار معلوم ہوتی ہے۔ اس سلطنت کی سرکار نئی ہے۔ قوانین نئے ہیں ساری فضا انوکھی ہے۔ ہماری زندگی کی بے رنگی اور ہماری بے اطمینان مسلم ہے۔ بوقلمونی تجربات پر ہمیں دسترس نہیں' جو تمنائیں دل میں ابھرتی ہیں' جو اوالو العزمی دماغ محسوس کرتا ہے جو اطمینان روح ڈھونتی ہے' وہ اس دنیا میں میسر نہیں' زندگی بے درد' بے کار اور بے معنی معلوم ہوتی ہے۔ اس کی بے رنگی' یکسانی' بے لطفی وبال جان ہوتی ہے' اس لئے کسی راہ نجات کی تلاش ہوتی ہے اور یہ راہ نجات ہمیں دوسری زندگی دکھاتی ہے۔ جو ہم اپنی روز مرہ کی زندگی کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ یہ دوسری زندگی زیادہ رنگین' متنوع اور دلچسپ ہوتی ہے' یہ محدود نہیں ہوتی اس کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں ہوتی۔ یہاں ہماری روح سکون کامل محسوس کرتی ہے اور یہ زندگی مہمل و بے معنی نہیں ہوتی' اس میں معنی خیزی ہوتی ہے۔ لطف ہوتی ہے' حقیقت مسرت ہوتی ہے۔ اسے خیالی زندگی یا خواب کی زندگی کہتے ہیں۔ اس میں ایک تازگی اور شادابی ہوتی ہے۔ ایک جان ہوتی ہے جو روز مرہ زندگی میں میسر نہیں۔"[1]

دراصل داستانوں کی بنیاد تصوریت اور ماورائیت پر رکھی گئی ہے جو رومانی فلسفے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ جس طرح رومانی نثر نگاروں کے ہاں میانہ روی کی گنجائش نہیں اور ایک خاص طرح کی جذباتی انتہا پسندی پائی جاتی ہے اس طرح داستانوں میں بھی یہی انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی احساس بہت زیادہ شدید اور تصوریت بہت زیادہ بلند ہوتی ہے اور ماورائیت کی اتنی زیادہ بہتات ہے جو رومانیت کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔ عشق کو ان سب میں نمایاں اور مرکزی حیثیت حاصل رہی ہے بلکہ اکثر عشق کی بدولت ہی داستان وجود میں آتی ہے' عشق کی مہمات کو سر

1۔ کلیم الدین احمد "فن داستان گوئی" مکتبہ ادب لاہور۔ 1966ء صفحہ نمبر 62

کرنے میں بھی داستان میں طوالت اور دلچسپی کا سامان ہوتا ہے اس لئے صرف اردو ادب میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے مختلف ادبوں میں بہت کم ایسی کہانیاں ملیں گی جن میں عشق کی داستان نہ ہو۔ داستانوں میں عشق کی شمولیت سے داستان میں رنگینی اور رومانیت پیدا ہو جاتی ہے اس کی دلکشی میں اضافہ ہوتا ہے اور پھر ہجر و وصال' حسرت و یاس' رقابت و شکایت' امید و بیم' خوف و رجا' غم و خوشی' جاں سپاری و خود رفتگی جیسے رنگا رنگ موضوعات داستان کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔ اسی طرح "عشق" کی مدد سے داستان کو ٹھہرایا اور طول دیا جاتا ہے کیونکہ عشق کی مہم آسانی سے سر نہیں ہوتی۔ اس میں جتنی بھی مشکل' طوالت اور قربانی کا جذبہ شامل ہو گا داستان کی خوبصورتی اور تاثیر میں اضافہ ہو گا۔ داستان میں یہ رویہ ایک منفرد رومانی رجحان کا ترجمان ہے۔ جس کی بنیاد پر داستان نویسی کی پوری عمارت استوار کی جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی اہمیت کو قطعی طور پر نظر انداز کیا جا سکتا۔ اسی طرح ہماری اردو داستانوں میں مافوق الفطرت عناصر بھی بکثرت پائے جاتے ہیں۔ کیونکہ مافوق الفطرت سے انسان کی دلبستگی اس کی فطرت میں ہے انسان ہمیشہ غائب پر ایمان لاتا ہے اور ان دیکھی ان سنی' دنیاؤں کو دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے طلسم' جادو' ٹونکا' دیو' پری' بھوت' پریت کے قصے ہمارے ہاں ہمیشہ مقبول رہے ہیں۔ اگر ہم اردو داستان کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ رومانی عناصر ابتداء سے ہی ہمارے نثری ادب کا حصہ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری لکھتے ہیں :

> "دنیا کی دوسری ترقی یافتہ اور شائستہ زبانوں کی طرح اردو میں بھی داستانوں کا سراغ ابتدائی دور ہی سے ملتا ہے۔ "کدم راؤ پدم راؤ" جسے اردو کی پہلی منظوم داستان خیال کرنا چاہیے اور (۱)839ھ کے درمیان تقریباً" آج سے پانچ سو سال پہلے وجود میں آتی ہیں لیکن نثری داستانوں کا آغاز "سب رس" کی تمثیل کو نظر انداز کر کے (۲)1775ء یعنی فارسی قصہ چہار درویش کے اردو ترجمے سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد سرسید کی تحریک علی گڑھ تک مختصر اور طویل سینکڑوں داستانیں لکھی گئیں ان داستانوں میں جنہیں شہرت و قبولیت حاصل ہوئی ان میں باغ و بہار' آرائش محفل رانی کیتکی کی کہانی' فسانہ عجائب' گل

---

(۱)1404ء ـــــــ (۲)1481ء

صنوبر، سروش سخن، طلسم حیرت، داستان امیر حمزہ اور بوستان خیال کے نام آتے ہیں۔"1

کم و بیش ان تمام داستانوں کی فضا تخیلی و طلسمی ہے اور یہ رومانی ماحول جان بوجھ کر پیدا کیا گیا ہے کیونکہ اس سے انسان کی قوت متخیلہ کو تحریک ملتی ہے۔ یہ داستانیں انسانی اعتقادات و میلانات پر روشنی ڈالتی ہیں۔ فرد کے انداز فکر و نظر سے آشنا کرتی ہیں، اس کی سادہ لوحی بے چارگی، مردانگی، معصومیت، خدا ترسی، قوت تسخیر، فتح و کامرانی کے قصے سناتی ہیں اور ان کے ذوق شوق مشاغل و معمولات اور خیر و شر کے ذکر سے فرصت کے لمحات میں اسی کا دل بہلاتی ہیں اور تھوڑی دیر کے لئے دنیا کے تفکرات سے نجات دلاتی ہیں۔

اردو داستانوں میں تخیل کی بے پناہ وسعت، بلندی قوت اور شدت ہے۔ ان میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ ہماری روزانہ کی جانی پہچانی دنیا سے دور کسی اور دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن داستان نگار کا تخیل اسے حقیقت کے قریب تک کر کے اسے قابل یقین حد تک پہنچا دیتا ہے۔ گرچہ دیو، جن، بھوت اور پریاں انسانی زندگی سے مختلف طریقے سے زندہ رہتے ہیں۔ دیو آدم خور ہوتے ہیں۔ پریاں اڑتی ہیں۔ یہ انسانی زندگی کی قیود سے آزاد ہوتے ہیں لیکن ان کے جذبات ہمارے جذبات اور ان کے خیالات ہمارے خیالات سے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ داستان گو کے تخیل کی بلندی پرواز اور رومانی طرز بیان کے سبب سے ہے۔ جو مافوق الفطرت کو کچھ دیر کے لئے انسانی فطرت کے لئے قابل قبول بنا دیتا ہے۔ اسلوب کے اعتبار سے بھی اردو داستانوں نے اپنے تخیلی رنگ کو برقرار رکھا۔ ایک ایسا خوابناک رومان پرور اسلوب جس میں تخیل کی ساری کیفیت قائم رہ سکے اور جس کے ذریعے انداز بیاں کے سلسلے کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور کسی قدر بیانیہ بنایا جا سکے، اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد حسن لکھتے ہیں:

"داستان گو نے ایک آرائشی طرز بیان کو اختیار کیا، اس کے علاوہ یہ بات بھی پیش نظر رکھنے کی ہے کہ داستان میں بنیادی کشمکش بھی مرئی ہے، مرئی مقاصد کے لئے اور مرئی گروہوں کے درمیان ہے۔"2

۱۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری "فن داستان اور داستانیں" پانچویں جلد تنقید۔ جنوری 1982ء راولپنڈی۔ صفحہ نمبر 699

۲۔ ڈاکٹر محمد حسن "اردو ادب میں افسانوی اظہار" بحوالہ تخلیقی ادب شمارہ خصوصی 3، جلد 4 شمارہ اکتوبر، نومبر 5,6 کراچی 1983ء صفحہ نمبر 126

داستان میں مرئی مقاصد کی تلاش ایک انتہائی مثبت کاوش ہے' جو دراصل اس کے بنیادی عناصر اور فکری محرکات کا جواز فراہم کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ' داستانوں میں پائی جانے والی رومانیت' طلسم خیزی' ماورائیت' مافوق الفطریت بھی ایک سطح پر داستانوی ادب میں منطقی حیثیت کے حامل قرار پاتے ہیں۔

تخیل آفرینی کے علاوہ اردو داستانوں میں سحر و طلسم کی فضا بھی ایک موثر کردار کے طور پر ابھرتی ہے۔ باغ و بن' آبادی و ویرانہ ہر جگہ طلسمی پھندے لگے ہوئے ہیں' جدھر دیکھئے ایک نیا ہی عالم ہے۔ یہ طلسم عموماً" خزانوں اور نوادرات کی حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں یا پھر داستان میں بہت بڑی کشمکش سے ہیرو کو رہائی ایک خدائی' غیبی امداد اور طلسم کے ذریعے دلائی جاتی ہے۔ داستان میں تحیر' سنسنی خیزی کی شدت کو بڑھانے اور پھر اس سے نجات کا راستہ صرف طلسمی راستہ ہی ہوتا ہے۔ گویا داستان میں ایک سلسلہ طلسم ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ آفات کے بچاؤ سے لے کر ہیرو کی فتح اور واپسی تک طلسم ایک بہت بڑے محرک کے طور پر داستان کو آگے بڑھاتا رہتا ہے' طلسمی مناظر' طلسمی پرندے' طلسمی جانور ہیرو کے مددگار ثابت ہوتے ہیں' اور دودھ کے دریا' کالے خون کی نہریں' طرح طرح کے خوفناک دشت طلسم اور جادو سے خیر کی قوتوں کے لئے باعث رحمت اور شر کی طاقتوں کو مسمار کرتے نظر آتے ہیں۔ جادوئی اسلحے' اڑن کھٹولے' پرستان کے آہنی دروازے' ہر مشکل گھڑی میں داستانی ہیرو کے ساتھی اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو داستان آگے نہیں بڑھ سکتی' ان تمام عناصر کو تخیل کی قوت اور رومانیت کی فضا میں جکڑا جاتا ہے تاکہ داستان کا حسن' روانی اور تسلسل برقرار رہے۔

اردو داستانوں کے ہیرو کو عجیب و غریب حالات و واقعات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ وہ لاتعداد مشکل گھاٹیوں سے گزرتا ہے اور سورماؤں سے جنگ کرتا ہے' اس کے گرد پراسرار جنگل ہوتا ہے اور اسے عبور کرنے کے بعد ہیرو کو آگے اور خون کے دریا میں ڈوب کر نکلنا ہے وحشت ناک صحرا' جنوں پریوں کی بستیاں' شکلیں بدلنے والے چشمے اور تالاب' خالی شہر' جانوروں کی مملکتیں اس کی راہ میں آتے ہیں۔ ان سب کے درمیان اس کی آزمائش کے مختلف مراحل ظاہر ہوتے ہیں۔ کبھی وہ کسی غار سے گزرتا ہے' کبھی اژدھے کے پیٹ کی تاریکی میں چلا جاتا ہے اور کبھی کسی معجزاثر پھول یا خزانے کی تلاش میں قلعوں اور طلسمی مکانوں میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔ کبھی وہ بچہ کبھی جوان' کبھی کسی شہزادی کے

عشق میں مبتلا ہے اور کبھی انسانی ہمدردی میں مصیبتیں اٹھاتا ہے۔ان تمام مہمات کے لئے غیبی امداد' اور طلسمی عناصر کا ہونا داستان کی اہم ضرورت ہوتا ہے۔

اردو ادب کے داستانوی دور کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ داستانوں میں خارجی بیان کے علاوہ فرد کی اپنی ذات کی پہچان کا سفر بھی ہوتا ہے۔اور داستانوں کی تخیلی اور رومانی فضا مخصوص معاشرت اور اس سے وابستہ افراد اور ماحول کو سمجھنے میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔اردو داستانوں میں رومانیت کا تصور زیادہ واضح مثبت اور قرین قیاس ہے کہ یہ انسانی فطرت اور اس کے نفسیاتی پہلوؤں کی ترجمانی کرتا ہے۔جذبے اور تخیل کی آزادی' عقلیت پسندی کے غلبے سے رہائی اور احساسات انسانی کی مادیت پسندی پر فتح کا تصور ہماری داستانوں میں جابجا ملتا ہے۔اسی طرح ماضی بعید سے انسان کی ازلی دلچسپی اور فطرت و مظاہر فطرت پر بھروسہ 'اچھے مستقبل کے خواب اور کائنات کو تسخیر کرنے کی خواہش نے داستانوں کو ادب میں مثبت تصور رومانیت سے ہم آہنگ کیا ہے۔

اردو داستانوں میں فضا بندی 'تخیل آفرینی' روایتی جذبہ عشق' شجاعت کے مظاہر اور مثالی ہیرو وہ رومانی عناصر ہیں جنھوں نے اردو کے نثری ادب پر اپنے گہرے اثرات مرتب کئے۔رومانی تصورات کے اس تسلسل اور تغیر نے آئندہ تخلیق کئے جانے والے افسانوی ادب کے لئے راہ ہموار کی۔اور اردو ناول نگاری کے لئے مضبوط بنیاد فراہم کی اور فکر و عمل کے بہت سے در وا کر دیئے۔چنانچہ ہمارے ادب میں ناول نگاری کی روایت کا آغاز بھی داستانوں کا مرہون منت ہے۔اس سلسلے میں ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں :

> ''اگر غیر جانبدارانہ نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ ناول اور داستان کے اجزائے ترکیبی میں بنیادی فرق نہیں۔ صرف زمانے اور انسانی شعور کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی نوعیت بدل گئی' ناول کتنی ہی حقیقی کیوں نہ ہو وہ ہرگز دلچسپ نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس میں تخیل کی آمیزش نہ ہو اور کوئی بھی داستان ایسی نہیں دکھائی دیتی جس میں تخیل کی فراوانی کے ساتھ ساتھ

کچھ نہ کچھ حقیقت نہ ملی ہو۔اس طرح دونوں ایک ہی اجزائے ترکیبی سے مل کر
بنتی ہیں۔"1

اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایک داستان نویس کو بھی زندگی کے کسی نہ کسی رویئے یا رجحان کی نمائندگی کرنا ہوتی ہے۔ وہ اسے تخیل کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ جبکہ ایک ناول نویس زندگی کو حقیقی اور قرین قیاس انداز سے پیش کرتا ہے۔ یہ محض انسانی شعور کی ترقی کی ایک سطح ہے جو ہمارے ناولوں میں در آئی ہے۔ بقول سید وقار عظیم:

"داستانوں کے تصور کے ساتھ وہ سارے جیتے جاگتے کردار ہمارے سامنے آتے ہیں جو صدیوں سے اس کے ساتھ وابستہ ہیں۔ انجمن آرائی کا منصب اولین ہے وہ مریضوں کے لئے دوائے شفا اور غم نصیبوں کے لئے سرمایہ سرور وشادمانی ہے۔ اسے دنیائے مونس و غم بنانے والی بے خودی و خود فراموشی کی آغوش میں پرورش پاتے اور ہر آن تازہ جہانوں کی سیر کرتے ہیں۔ داستانوں نے انسانوں کی دنیا کے سامنے اس عجیب و غریب دنیا کا تخیل پیش کر کے، رنگینی، بوقلمونی، کشادگی، فراوانی اور رخصت و عظمت کو ایک نئے معنی دیئے ہیں۔ بے بسوں، محروموں سے ان کی بے بسی اور محرومی چھینی ہے کہ بے خودی اور خود فراموشی کے وہی بڑے انعام ہیں۔ بے خودی دولت پر جتنا تصرف داستان کا ہے کسی اور چیز کا نہیں۔ اس کا خمار بھی اعتبار شکن نہیں۔"2

داستانوں میں خود فراموشی اور خوابیدہ کیفیات، رومانیت کے حقیقی فلسفے کا اظہار کرتی ہیں۔ یہی وہ بنیادی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے اس کو ادب میں نمایاں حیثیت حاصل رہی ہے۔ اور اسی بنیاد پر ہماری داستانوں کو مقبولیت نصیب ہوئی۔ کیونکہ بیشتر داستانوں کی تعمیر و تشکیل میں جو عناصر کار فرما ہوتے ہیں اور جو انہیں دلچسپ اور رنگین بناتے ہیں ان میں رومانیت یا رومانوی عناصر کا گہرا عمل دخل ہوتا ہے اور اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ

۱۔ ڈاکٹر محمد احسن فاروقی "اردو ناول کی تنقید نگاری" سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔ 1968ء صفحہ نمبر15

۲۔ سید وقار عظیم "ہماری داستانیں" اردو مرکز لاہور۔ س۔ن۔ صفحہ نمبر11,12

رومانیت کے بغیر ہماری داستانیں' بے مزہ اور بے اثر ہو جائیں' اور اگر داستانوں کے رومانوی عناصر سے الگ کر کے دیکھا جائے تو جو مراد باقی رہ جائے گا' وہ اس قدر خشک اور بے سپاٹ ہو گا کہ قاری کی دلچسپی تقریباً" ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ رومانیت ہی وہ طرز احساس ہے جو داستانوں میں زندگی' حسن' رنگینی اور خوابوں کا جہاں آباد کرتا ہے۔ جو قصے کو ایک نئی معنویت دیتا ہے جو ان دیکھی دنیا کا ایک حسن تصور ہمارے سامنے لاتا ہے اور ہم چند لمحوں کے لئے ایسی فضاء میں سانس لینے لگتے ہیں جو ہماری حقیقی زندگی سے کہیں زیادہ خوبصورت' فرحت بخش اور باعث تسکین دل و جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے ابتدائی ادب میں داستان گوئی کو ایک خاص طرح کی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اردو ادب میں بڑی بڑی ضخیم داستانیں ہیں جن میں رومانیت کے بیشتر عناصر پائے جاتے ہیں ان داستانوں میں انتہائی آراستہ و پیراستہ پس منظر میں عشق و محبت کی ایسی کہانیاں موجود ہیں جو عام طور پر جنگ جو اور خطر پسند نوجوانوں کی مہمات سے متعلق ہوتی ہیں ان داستانوں میں عام دنیا کے برخلاف ایسی دنیا نظر آتی ہے جہاں حرماں زدہ انسانوں کی تمام تمنائیں اور تشنہ آرزوئیں پوری ہوتی ہیں' ان داستانوں کے کردار معیاری اور مثالی ہوتے ہیں۔ حسن کی نیرنگیاں اور عشق کی رنگارنگی نہایت دلفریب انداز میں دکھائی جاتی ہے نیک انسانوں پر مصیبتیں نازل ہوتی ہیں لیکن آخر کار تقدیر کوئی کھیل دکھا کر ان تمام مصیبتوں کو رفع کر دیتی ہے۔

ان داستانوں میں رومانی عناصر اجاگر ہو کر ہمارے سامنے آتے ہیں کیونکہ ان میں عام زندگی کی افراتفری دکھائی نہیں دیتی۔ جس طرح رومانی ادیب زندگی کے تلخ حقائق سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور خیالی دنیا میں پناہ لیتے ہیں اسی طرح داستانوں کی دنیا میں بھی ہر چیز خیالی نظر آتی ہے۔ اس میں جو زندگی پیش کی جاتی ہے وہ خواب کی دنیا میں پیش آنے والی زندگی ہے' جس کو ہر انسان اپنے باطنی وجود میں آباد کئے رکھتا ہے۔ خواب کی اس دنیا میں داخل ہو کر تمنا کے محل تعمیر کئے جاتے ہیں اور جو چیز بھی عملی دنیا سے حاصل نہیں ہوتی' وہ اس خاص طرح کی ذہنی دنیا آباد کر کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ الغرض ہماری داستانوں میں ان عناصر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے جو رومانیت سے گہرا تعلق رکھتے ہیں۔ ان داستانوں میں ایک خاص قسم کی فضا پیدا کی جاتی ہے۔ اس مقصد کے لئے ایسے کردار پیش کئے جاتے ہیں جو بظاہر تو جن بھوت اور دیو وغیرہ معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کے احساسات انسانی احساسات کے تصوراتی پہلوؤں سے گہری مماثلت رکھتے ہیں۔

داستان کی صنف کو ناول تک لے جانے میں سرسید کی مقصدی تحریک ایک اہم وسیلہ بنی۔ اس تحریک نے قومی سطح پر تحرک پیدا کیا' قرون وسطیٰ کے مزاج سے بالکل جدید مذاق پر آجانے سے پہلے خالصتاً" ایک اخلاقی دور کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ اور سرسید کی تحریک نے اس تاریخی ضرورت کو پورا کیا' علی گڑھ تحریک کی ٹھوس عقلیت اور جامد اجتماعیت نے زندگی اور ادب دونوں کو ایک نئے موڑ سے آشنا کیا' قوم کی نظر کو توہمات سے ہٹا کر زندگی کی حقیقتوں پر لگایا۔ چنانچہ داستانوں کی دنیا میں طلسمات کی جگہ حقیقی زندگی در آئی اور ناول کے ابتدائی خد و خال ادب میں نمایاں ہو کر سامنے آنا شروع ہوئے۔ توہمات کردار اخلاقی صفات کے مجسموں میں تبدیل ہو گئے۔ اس سلسلے میں نذیر احمد کے ناول کو نقش اول کہا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اہم معاشرتی مسائل کو فرضی قصوں کے ذریعے پیش کیا۔ قدرت نے ان کو ایک خاص قسم کی تخیلی قوت بھی دی تھی جس کی مدد سے انہوں نے نہایت دلچسپ اور جیتی جاگتی تمثیلیں لکھیں۔ نذیر احمد کی ناول نگاری کے بارے میں سید وقار عظیم لکھتے ہیں :

> "یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں برتا جاتا کہ یہ قصے ناول نہیں ہیں اور جو لوگ اس سارے تکلفات سے بے نیاز ہو کر صرف یہ دیکھتے ہیں کہ داستان کی خیالی دنیا کی جگہ ان قصوں میں زندگی کی ٹھوس حقیقتیں' ان ٹھوس حقیقتوں سے دوچار ہونے والے ہم سے اور آپ سے ملتے جلتے کردار نظر آتے ہیں تو یہ محسوس کر کے خوش ہوتے ہیں کہ یہ قصے' قصہ گوئی کے ایک نئے اسلوب اور فن کے ایک نئے اسلوب اور فن کے ایک نئے دور کی آمد کا پیش خیمہ ہیں"[1]

نذیر احمد نے اپنے ناولوں میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ادبی حسن اور لطافتوں سے بہت کام لیا ہے۔ ان کے ناولوں میں معاشرتی مسائل کو فرضی قصوں کے ذریعے پیش کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر احسن فاروقی لکھتے ہیں :

> "انہوں نے اپنے ماحول کا گہری نظر سے مطالعہ کیا' اپنی قوم کی زبوں حالی سے' گہرے طور پر متاثر ہوئے اور اس قوم کی زندگی کو سچی انسانیت کے رستے پر لگانے کا جذبہ شدت سے ان کے دل میں پیدا ہوا' ساتھ ہی ساتھ ان کو ایک

1۔ سید وقار عظیم "داستان سے افسانے تک" اردو اکیڈیمی سندھ کراچی۔ جولائی 1960۔ صفحہ نمبر 57,58

خاص قسم کی تخیلی قوت بھی دی تھی جس کی مدد سے انہوں نے اخلاقی مسائل کو تخیلی مجسموں کے حلیوں میں ملبوس کیا اور نہایت دلچسپ اور جیتی جاگتی تمثیلیں لکھیں ــــــ غرض مولانا کی ساتوں تصانیف نثر میں طویل واقعاتی تمثیلیں ہیں ــــــ مولانا کی تمثیل کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا تمثیلی (Allegorical) نام نہ ہو اور جو ان تمام خصوصیات کا مجموعہ نہ ہو جو ان کے نام سے منسوب صنعت کے مطابق نہ ہوں اور ان افراد کی بابت بیانات' ان کی حرکات اور ان کی بات چیت تمام تر اس مخصوص صنعت کو نمایاں نہ کرتی ہوں۔ اس بنا پر مولانا کی ساتوں تصنیفیں تمثیل ہی ہیں اور تمثیل کی حیثیت سے ہی ان کو جانچنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔"[1]

نذیر احمد کی ناول نگاری میں یہ تمثیلی انداز ان کے رومانی طرز احساس کو اجاگر کرتا ہے وہ اپنی بامقصد تحریروں میں تمثیلی کرداروں کے ذریعہ ایک مثالی زندگی کا تصور پیش کرتے ہیں جو حقیقی زندگی سے بھی عبارت ہے اور ایک تخیلی نظام معاشرت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ اس حوالے سے نذیر احمد کی ناول نگاری میں رومانیت ایک نئے پہلو سے سامنے آتی ہے۔

نذیر احمد نے قصہ گوئی میں نہ صرف یہ کہ تمثیلیں پیش کی ہیں بلکہ اپنے طرز نگارش کو بھی عوامی لب و لہجہ عطا کیا ہے۔ ان کے قصوں کے کردار حقیقت کے آئینہ دار ہونے پر بھی مثالی ہیں۔ ان کے ہاں واقعہ نگاری اور منظر کشی میں عمدہ فنکاری کا اظہار ملتا ہے۔ گرچہ وہ سرسید کی تحریک مقصدیت کے اہم رکن تھے اور انہوں نے اصلاح پسندی کے زیر اثر ناول لکھے' لیکن ان کے ہاں کہانی کی دلکشی' مشاہدے کی گہرائی' اور اجتماعی زندگی کی فنکارانہ مصوری انہیں سرسید اور ان کے دیگر رفقاء سے مختلف بھی ثابت کرتی ہے۔ ان کے ہاں حقیقت پسندی کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص قسم کی رومانیت بھی ہے' کہ وہ اس معاشرے میں کچھ مثالی کرداروں کے ذریعے تبدیلی کے خواہشمند ہیں۔ وہ معاشرے کو اعلیٰ انسانی انداز کا جیتا جاگتا ماحول دینا چاہتے تھے۔ اسی لئے ان کے کرداروں کو "مثالی مجسمے" کہا گیا جو اخلاقی صفات کے

1۔ ڈاکٹر احسن فاروقی "اردو ناول کی تنقیدی تاریخ" سندھ ساگر اکیڈمی لاہور۔ 1968ء صفحہ 29-34

آئینہ دار بھی ہیں اور محبت، عظمت، پاکیزگی اور سلیقہ شعاری کے ترجمان بن کر معاشرے کے لئے اعلیٰ مثالیں قائم کرتے ہیں، اس بارے میں ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں :

> "اردو ناول کا آغاز نذیر احمد اور سرشار کا مرہون منت ہے مگر اس کی مقبولیت میں شرر کی وجہ سے کئی گنا اضافہ ہوا، ان تینوں ناول نگاروں کے اثرات اردو ناول پر بہت گہرے اور دور رس ہوئے ہیں۔ بلکہ نصف صدی یا اس سے کچھ مدت تک ناول انہی کی صدائے بازگشت رہا ہے۔"1

سرشار ایسے ناول نگار ہیں جنہوں نے داستان کی چھوڑی ہوئی روایت کو آگے بڑھایا، ان کے کردار بھی ایک مخصوص مزاج رکھنے کے باوجود مثالی ہیں۔ انہوں نے قصے کے کرداروں اور قاری کے باہمی رشتوں اور نزاکتوں کو پوری طرح محسوس کیا۔ ان کے ناولوں میں لکھنؤ کے متنوع مناظر کی مصوری کرتے ہوئے ایک خاص رومانی فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سڑکوں، گلی کوچوں، میلوں ٹھیلوں میں ان کے کرداروں کی بے تکلفی، بے باکی، لاابالی طرز زندگی سے رومانیت کی عکاسی ہوتی ہے۔ ان کی معرکہ آرا تصنیف "فسانہ آزاد" ہمارے کلاسیکی ادب میں ایک لافانی مقام رکھتی ہے۔ اس ناول میں داستانوں کی طرح پریوں، جنوں اور آدم زادوں کی مخلوط اور خیالی دنیا نہیں ملتی بلکہ اس عہد کے زندہ ماحول کی عکاسی دلنشیں انداز میں کی گئی ہے۔

سرشار نے دراصل بکھری معاشرت کو مختلف کرداروں کے توسط سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس لئے کردار نگاری کے ذریعے مخصوص معاشرے کی منظر کشی ان کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اسی طرح ان کے کرداروں کا اپنے زمان و مکان سے گہرا تعلق ہے۔ یہ خصوصیت ہمارے افسانوی ادب میں ایک نئے رجحان کے طور پر متعارف ہوئی۔ کیونکہ اس سے پہلے داستانوی ادب میں عام طور پر کردار زمان و مکان کی قید سے آزاد ہوتے تھے۔ لیکن سرشار نے اپنے ناول میں اس خصوصیت کو بڑے سلیقے سے نبھایا۔ اسی طرح ان کے کردار اپنی تمام تر خوبیوں اور خامیوں کے

1۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا "دوسرے ناول نگار" تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند (نویں جلد) اردو ادب چہارم۔ پنجاب یونیورسٹی فروری 1972ء صفحہ نمبر 499